جامعہ دارالعلوم کراچی

کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

صفر المظفر ۱۴۴۰ھ / نومبر ۲۰۱۸ء

جامع مسجد جاوا، انڈونیشیا

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

هٰذا بلاغٌ لِلناسِ

جلد ۵۴ — شمارہ ۲
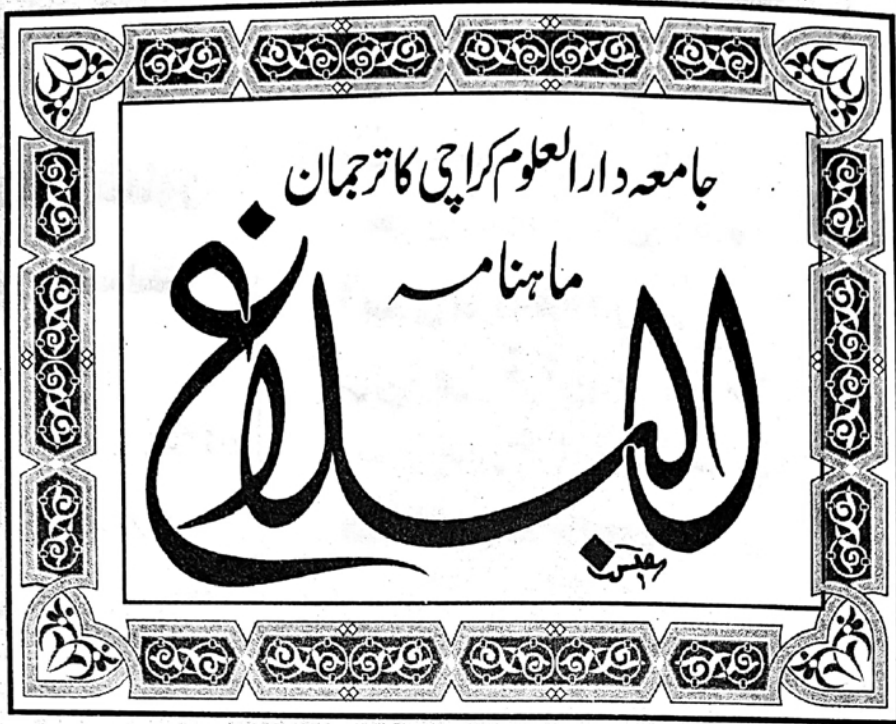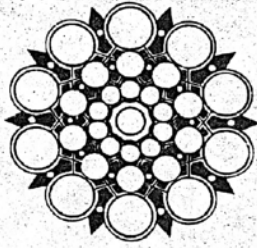
صفر المظفر ۱۴۴۰ھ / نومبر ۲۰۱۸ء

نگران

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

مدیر مسئول

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب

مجلس ادارات

مولانا محمود اشرف عثمانی — مولانا راحت علی ہاشمی

زیر انتظام — فرحان صدیقی

ترتیب

فی شمارہ ....۔/۳۵ روپے

سالانہ زرتعاون ....۔/۴۰۰ روپے

بذریعہ رجسٹری ....۔/۵۵۰ روپے

سالانہ زرتعاون بیرون ممالک

امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور

یورپی ممالک..........۳۵ ڈالر

سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ عرب

امارات...................۲۷ ڈالر

ایران، بنگلہ دیش...........۲۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ ''البلاغ'' جامعہ دارالعلوم کراچی

کورنگی انڈسٹریل ایریا کراچی ۷۵۱۸۰

فون نمبر:۔ 021-35123222

021-35123434

بینک اکاونٹ نمبر

9928-0100569829

میزان بینک لمیٹڈ

کورنگی دارالعلوم برانچ کراچی
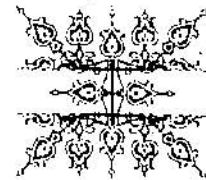
Email Address:

monthlyalbalagh@gmail.com

www.darululoomkarachi.edu.pk

پبلشر:۔ محمد تقی عثمانی

پرنٹر:۔ القادر پرنٹنگ پریس کراچی

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۲/ربیع الاوّل، بدعات ومنکرات سے بچیں!

حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود وسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

سرورِکونین، آقائے نامدار، رحمۃ للعالمین، محسن انسانیت، ہادیٔ اعظم، مصطفیٰ، مجتبیٰ، شفیع المذنبین نے راجح قول کے مطابق ۸/ربیع الاول بروز دوشنبہ ۵۷۰ء صبح صادق کے وقت عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر آنکھ کھولی، باپ کا سایہ ولادت سے پہلے ہی سر سے اُٹھ چکا تھا، چار سو کفر وشرک اور جہالت وظلمت کا دور دورہ تھا، سنگدلی اور بے رحمی ہر فرد کی جبلت میں پیوست تھی، توہم پرستی اور رنگ ونسل کے تعصبات نے معاشرے میں پنجے گاڑ رکھے تھے، خودغرضی، خودپرستی اور خودپسندی کے جراثیم سے معاشرہ کا انگ انگ زہر آلود اور زخمی زخمی تھا۔

ظلم وظلمت کے اس تاریک ماحول میں، جہاں دور دور روشنی کی کوئی جھلک نہیں تھی، رب ذوالجلال نے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دست قدرت سے اس طرح پروان چڑھایا کہ نہ دامن پر کوئی داغ تھا اور نہ قلب وباطن میں کسی طرح کا میل، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنا اچھا نقشہ کھینچا ہے:

واحسن منک لم ترقط عینٌ
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب
کأنک قد خلقت کما تشاء

آپ جیسے حسن وجمال سے سرشار کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی خاتون نے جنا ہے، آپ ہر عیب سے منزہ و پاک اس طرح پیدا کئے گئے ہیں جیسے آپ کو اپنی ہی پسند وانتخاب سے پیدا کیا گیا ہو……

تاریخ کے ہر دور میں خاتم النبیین، رسول عربی کے محاسن وکمالات سے متعلق شعروسخن کا اسلوب ہو یا بلیغ سے بلیغ تر نثر کا، اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ ان مقالات ومضامین اور قصائد وکتب کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، پوری انسانی تاریخ میں کسی بھی قوم وملت میں اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، لیکن پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ کوئی نعتیہ کلام یا نثر کا کوئی بلیغ اسلوب ان قرآنی آیات وکلمات کے گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتا، جو خالق کون ومکان نے قرآن کریم میں آپ کی شان میں نازل فرمائی ہیں اور جو قیامت تک آپ کے ذکر جمیل سے مشام جان کو معطر رکھتی ہیں۔

لیکن اس بدیہی حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں کہ ان اوصاف جمیلہ اور مقامات رفیعہ کے ذکر کا حاصل ہر صاحب ایمان کو، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نام لیوا کو اور حب رسول کا دم بھرنے والے ہر اُمتی کو ہادیٔ کامل کے نقش قدم پر چلنے اور زندگی کے شب وروز میں آپ کی ہر اُس ادا کو اپنانے کی تاکید ہے جو قرآن حکیم اور سنت وسیرت کے مستند علمی وعملی اثاثے کی شکل میں امت کے پاس محفوظ ہے، یہ اثاثہ افراد اور معاشرے کے ہر نشیب وفراز کے لئے حکیمانہ تعلیمات پر مشتمل ہے، انسانی معاشرے کے ہر دور، ہر طبقہ، ہر رنگ ونسل اور بحر وبر میں پھیلی ہوئی ہر طرح کی آبادی کیلئے مفصل ہدایات کا جامع ترین نسخۂ کیمیا ہے……ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات ایمانیات، عبادات، معاملات (اپنے وسیع تر مفہوم میں جس کا دائرہ شخصی، عائلی وتجارتی معاملات سے لے کر عدالتی، دستوری اور بین الاقوامی معاہدات ومعاملات تک پھیلا ہوا ہے) سماجی ومعاشرتی حقوق وآداب، اور قلب وباطن سے متعلق اخلاق حسنہ وسیئہ کی عمیق اور دقیقہ رس تفصیلات پر مشتمل ہے جن کی روشنی میں بندۂ مومن اپنے ظاہر وباطن اور زندگی کے ہر موڑ پر اسوۂ حسنہ کو

اپنانے کا مکلف ہے، قدم قدم پر دین کو غالب رکھنے اور پیغمبرانہ تعلیمات کو اپنانے کی تاکید ہے، قرآن کریم کی اس آیت میں اسی کا حکم ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ. (البقرۃ:۲۰۸)

اس روئے زمین پر جب تک مسلمان تعلیمات نبوی کی روشنی میں، اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارتے رہے وہ اس خطۂ ارضی کے واحد سپر پاور تھے اور تاریخ کے ایک طویل دور ایسے تک ان کا کوئی مقابل نہیں تھا لیکن جب سے اسوۂ حسنہ کا نور ان کے جسم وجان سے رخصت ہوا ہر طرف کی ظلمتوں نے ان کا امن وسکون اور ان کی جہاں بانی و بالادستی کی قوت و طاقت کو ملیامیٹ کرکے رکھدیا، آج بھی تقریباً دو ارب کی آبادی رکھنے، ۵۶ ریاستوں پر حکمرانی کرنے اور وسائل دولت ومعیشت، تیل، گیس اور معدنیات سے مالامال عالم اسلام کو عالمی طاقتیں، کھلونوں کی طرح ریموٹ کنٹرول سے چلارہی ہیں، ان مسلم ریاستوں کا حکمران طبقہ ہو، معاشرے کے دولتمند افراد ہوں یا ان ریاستوں کی بیوروکریسی، مسلم ریاستوں کے یہ سب طبقات اپنے خیالات وتصورات سے بھی، اپنی گفتار سے بھی اور اپنی شب وروز کی سرگرمیوں سے بھی دینی تعلیمات سے نابلد اور سیرت سے ناآشنا پوری طرح مغرب کے تابع مہمل ہیں، مغرب نے لادین نظام تعلیم اور مادہ پرستانہ تربیت سے ان طبقات کو ایسا زہر پلادیا ہے کہ اب ان کی نظروں میں اسلامی تعلیمات، دینی اقدار وروایات اور محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ تو بس قدیم تاریخ کی ایک کہانی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ان نامساعد حالات کے باوجود، مقام شکر ہے کہ عالم اسلام کے طول وعرض میں ایسے رجال باصفا کی کمی نہیں ہے جن کے دل حب رسول کے جذبات واحساسات سے سرشار ہیں اور شب وروز کے ہر موڑ پر تعلیمات نبوی کا عکس ان کے ظاہر وباطن میں پیوست نظر آتا ہے، طاغوتی طاقتوں کی بالادستی، آئے دن اٹھنے والے فتنوں اور ہر سو پھیلی ظلمتوں کے اس تاریک دور میں بھی، اللہ کے فضل وکرم سے ایسی تڑپ اور درد دل رکھنے والوں کی کمی نہیں ہے جن کی راتیں رب کے سامنے ہاتھ اٹھائے آہ وبکا کی سسکیوں میں کٹتی ہیں اور دن میں یہ مردان خدا مست، تعلیم وتربیت اور خلق خدا کی ہمدردی میں ہر طرح کی مشکلات جھیلتے نظر آتے ہیں جبکہ دوسری طرف طعن وتشنیع کے زہر میں بجھی ہوئی زبانوں، خنجر کی طرح چلنے والے قلموں کے زخم بھی سہتے ہیں، ان خادمانِ دین کے شبانہ روز محنت کا محور یہ آرزو ہے کہ امت کو طاغوت کے شر سے بچایا جائے، اس کو اسوۂ حسنہ کے رنگ میں

رنگا جائے اور اسلام کا دم بھرنے والا اُمتی سنت وسیرت کے انوار وبرکات سے معمور نظر آئے ، ان مردان خدامست کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس لگن میں گزرتا ہے کہ امت کو اغیار کی نقالی اور یہود ونصاریٰ کی فکری غلامی سے آزادی ملے اور ماضی کی طرح وہ اپنی سیاست، معیشت، علم وہنر اور اجتماعی زندگی کے ہر میدان کو قرآنی احکام اور اسوۂ حسنہ کی روشنی سے منور کرکے دنیا کو دین حنیف کی برکات وثمرات سے آگاہی فراہم کرے، یہ سنت الٰہی ہے کہ چراغ سے چراغ اور دیئے سے دیا جلتا ہے، بحمد اللہ دین حنیف کی دعوت اور علوم نبوت کے تحفظ کا مبارک کام تسلسل کے ساتھ جاری ہے، معاشرے میں ایسے رجال کار کی تعداد کم اور محدود ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جہد مسلسل کے ثمرات ظاہر ہورہے ہیں کہ صدق واخلاص پر مبنی جدوجہد کو کبھی ناکامی ونامرادی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

عشق رسول اور دین حنیف کی بالادستی کا راستہ یہ ہے کہ افراد امت کو اسوۂ رسول اپنانے کا خوگر بنایا جائے اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق نبوی تعلیمات سے آگاہی فراہم کی جائے ، اسی طرح کا طرز عمل بجا طور پر حُبّ رسول کا مظہر بنتا ہے کہ مشک اپنی خوشبو سے ہی اپنی پہچان کراتا ہے۔

لیکن شامت اعمال سے حُبّ رسول کا جذبہ اب شب و روز کے لمحات حیات سے سمٹتے سمٹتے رسمی طور پر ۱۲ ربیع الاول کے دن میں محدود ہوکر رہ گیا ہے، کاش اس موقع پر بھی اگر جلسے جلوسوں اور مظاہروں کی جگہ اتباع سنت اور اسوۂ حسنہ کی ترغیب سے متعلق کچھ سرگرمیاں دیکھنے میں آتیں تو وہ خلاف شرع مفاسد پیدا نہ ہوتے جو سامنے آنے لگے ہیں اور جن میں وقت کے ساتھ ساتھ شدت آتی جارہی ہے۔

جو حضرات حبِ رسول کے مبارک عنوان کے ساتھ ان کاموں میں شریک ہوتے ہیں یا ان کے محرک بنتے ہیں، ان کی خدمت میں مؤدبانہ التجاء ہے کہ اپنے اِس طرزِ عمل کے نتائج وعواقب کا ٹھنڈے دل سے جائزہ اور محاسبہ کیا جائے، قرآنی احکام، پیغمبرانہ تعلیمات وہدایات اور قرون اولیٰ کے تعامل کا جائزہ لے کر اختیار کردہ معمولات کو شرعی معیاروں پر پرکھا جائے۔

کیا ہم میں سے کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کے دل میں حب رسول کا جذبہ کسی صحابی کے برابر ہے اور کیا کسی ادنی مرتبہ کے کسی صحابی نے حب رسول کے اظہار کیلئے کبھی وہ کچھ طرزِ عمل اختیار کیا تھا جو آج ہم کرنے لگے ہیں۔ دین نہ تو کسی افسانے کا نام ہے، نہ ہی منگھڑت خیالات کا ، اور نہ اپنے من کی شوقیوں اور خواہشات پر چلنے کا نام دین ہے۔

۱۲ ربیع الاول کے جلوسوں میں اب عید میلاد النبی کے نام سے نماز بھی شروع ہوگئی ہے، نعلین مبارکین کے نقش پر مشتمل بینر، سڑکوں پر لگے ہوئے بجلی کے کھمبوں پر لگائے جاتے ہیں، متعینہ تاریخ گزرنے کے بعد وہ ٹوٹ کر گرتے ہیں اور پاؤں کے نیچے روندے جاتے ہیں، عورتیں بھی عید میلاد النبی منانے میں مردوں کے شانہ بشانہ چلتی نظر آتی ہیں اور ایسے ایسے مکروہ مناظر نظر آنے لگے ہیں جن کے انجام بد کے تصور سے خوف آتا ہے، جگہ جگہ نوجوانوں کی ٹولیاں نعتیہ ریکارڈنگ کی آواز پر مٹکتے اور دھمال ڈالتے ہیں، ایک صاحب نے چشم دید واقعہ ذکر کیا کہ بلڈنگ کے سامنے سے گزرنے والے جلوس کا تماشہ دیکھنے کیلئے بالکونیوں پر عورتیں بھی نہ صرف محو تماشا تھیں بلکہ وہ اور جلوس کے شرکاء مالٹوں سے ایک دوسرے کا نشانہ لے کر "دل لگی" کر رہے تھے، یہ تو عام سی بات ہے کہ جگہ جگہ چوراہوں پر روضۂ رسول اور بیت اللہ کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، "بیت اللہ" کا طواف ہوتا ہے اور "روضۂ رسول" پر اظہار عقیدت کیلئے گل پاشی بھی ہوتی ہے۔

عیسائی دنیا ۲۵ دسمبر کو کرسمس ڈے مناتی ہے، اس کا آغاز بھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت کی نسبت سے، محض اظہار عقیدت ومحبت کیلئے ہوا تھا، اور وہ بھی بہت بعد کی تاریخ میں، بے ضرر طور پر صرف چرچ کی چہار دیواری میں —— لیکن آج ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ اس ایک دن میں یورپ کے تمام ملکوں میں جرائم کی شرح سال بھر کی مجموعی تعداد سے بھی متجاوز ہوجاتی ہے۔

ہم سب کیلئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ کیا اظہار عقیدت کے عنوان سے، حب رسول کے نعرے لگا کر، پرچم اٹھا کر اور ہر طرح کے منکرات وخرافات گھڑ گھڑ کے ہمارے قدم کچھ اُس طرح کے انجام کی طرف تو نہیں بڑھ رہے ہیں جہاں اس وقت عیسائی دنیا کرسمس کا ڈے منا کر کھڑی ہے؟

مولائے کریم ہر طرح کے زیغ وضلال اور ہر طرح کی بے اعتدالی وکوتاہی سے پناہ عطا فرمائے۔ آمین۔

مرکز الاقتصاد الاسلامی
Center For Islamic Economics

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور دیگر تجربہ کار، تعلیم یافتہ علمائے کرام کی سرپرستی اور پر عزم مثالی قیادت میں کئی سالوں سے وطن عزیز پاکستان میں اور بیرون ملک اسلامی بینکاری اور اسلامی معاشی نظام کے احیاء اور فروغ کیلئے مصروف عمل ہے

قیام

مرکز الاقتصاد الاسلامی کا قیام 22 صفر 1413 بمطابق 22 اگست 1992 کو بیت المکرم مسجد گلشن اقبال کراچی میں عمل میں آیا

مقاصد

تعلیم، تحقیق، تبلیغ

ان مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے موجودہ سودی نظام معیشت کے مقابلے میں اسلامی معاشی نظام کو شرعی بنیادوں پر قابل عمل اسلامی بینکاری کے نمونہ کے طور پر پیش کرنے اور اسے شریعت کے مطابق جاری رکھنے کی کاوشوں میں مرکز الاقتصاد الاسلامی ایک کلیدی کردار ادا کررہا ہے۔

خدمات

اب تک پاکستان اور بیرون ملک میں 500 مایہ ناز اداروں اور 5000 پیشہ ور افراد کو اسلامی بینکاری اور اسلامی مالیاتی نظام کے فروغ کے لیے تربیت دے چکا ہے

موجودہ نظام معیشت میں سود ایک ایسی لعنت ہے جس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے سودی نظام کو ختم کرنے اور اس پیغام کو علمی و عملی شکل دینے کے لیے مرکز الاقتصاد الاسلامی)جامعہ دارالعلوم کراچی کیمپس برائے سال 2018ء میں اسلامی بینکاری اور مالیاتی نظام کے تعارف پر مشتمل کورس (PGD) میں داخلے کی پیشکش کر رہا ہے۔

تمام طلباء کے لیے 50% تک کی خصوصی رعایت

ہفتہ وار کلاسز: دودن ہفتہ اور اتوار ہفتہ دوپہر 03:00 تا رات 09:00 اتوار صبح 09:00 تا دوپہر 03:00

بمقام: حرا فاؤنڈیشن اسکول بوائز کیمپس

رجسٹریشن کے لیے حرا فاؤنڈیشن اسکول کے بوائز کیمپس میں تشریف لائیں یا مزید معلومات کے لیے دیے گئے نمبروں پر رابطہ کریں

https://web.facebook.com/cie.hfs/ 0316-2704356 021-34823147

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

...... ایاتھا ۱۶۵	سورة الانعام	...... رکوعاتھا ۲۰ ......

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۝۲۱ وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۝۲۲ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۝۲۳

اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاسکتے (۲۱) اُس دن (کو یاد رکھو) جب ہم اِن سب کو اِکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا ہوگا ان سے پوچھیں گے کہ: "کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کے بارے میں تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ خدائی میں اللہ کے شریک ہیں؟" (۲۲) اُس وقت اُن کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا، سوائے اِس کے کہ وہ کہیں گے: "اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے، ہم تو مشرک نہیں تھے (۱)۔" (۲۳)

---

(۱) شروع میں تو وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں جھوٹ بول جائیں گے، لیکن پھر قرآنِ کریم ہی نے سورۂ یٰسٓ (۶۵:۳۶) اور سورۂ حٰم السجدہ (۲۱:۴۱) میں بیان فرمایا ہے کہ خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، اور ان کا سارا جھوٹ کھل جائے گا۔ اس موقع کے لئے سورۂ نساء (۴۲:۴) میں پیچھے گذرا ہے کہ وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے، اور آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۱۳۰ میں آرہا ہے کہ وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے۔

اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۝۲۴ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۝۲۵ وَ هُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ یَنْــٴَـوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ۝۲۶ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝۲۷ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝۲۸

دیکھو! یہ اپنے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول جائیں گے، اور جو (معبود) انہوں نے جھوٹ موٹ تراش رکھے تھے، اُن کا اِنہیں کوئی سراغ نہیں مل سکے گا! (۲۴) اور اِن میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں، مگر (چونکہ یہ سننا طلبِ حق کے بجائے ضد پر اَڑے رہنے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے) ہم نے ان کے دِلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھتے نہیں ہیں، اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کردیا ہے۔ اور اگر وہ ایک ایک کر کے ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ جب تمہارے پاس جھگڑا کرنے کے لئے آتے ہیں تو یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پچھلے لوگوں کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں (۲۵) اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں، اور خود بھی اس سے دُور رہتے ہیں۔ اور (اس طرح) وہ اپنی جانوں کے سوا کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈال رہے، لیکن ان کو احساس نہیں ہے۔ (۲۶) اور (بڑا ہولناک نظارہ ہوگا) اگر تم وہ وقت دیکھو جب ان کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اور یہ کہیں گے: "اے کاش! ہمیں واپس (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ اس بار ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں، اور ہمارا شمار مومنوں میں ہو جائے!" (۲۷) حالانکہ (ان کی یہ آرزو بھی سچی نہ ہوگی) بلکہ دراصل وہ چیز (یعنی آخرت) ان کے سامنے کھل کر آچکی ہوگی جسے وہ پہلے چھپایا کرتے تھے، (اس لئے مجبوراً یہ دعویٰ کریں گے) ورنہ اگر ان کو واقعی واپس بھیجا جائے تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور یقین جانو یہ پکے جھوٹے ہیں (۲۸)

وَ قَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝۲۹ وَ لَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ۝۳۰

یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیوی زندگی ہے، اور ہم مرکر دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔(۲۹) اور اگر تم وہ وقت دیکھو جب یہ اپنے ربّ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے! وہ کہے گا: "کیا یہ (دوسری زندگی) حق نہیں ہے؟" وہ کہیں گے: "بے شک ہمارے ربّ کی قسم!" اللہ کہے گا: "تو پھر چکھو عذاب کا مزہ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" (۳۰)

ماہ صفر اور بدفالی

ماہِ صفر اور بدفالی سے متعلق چند ارشادات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

(ا) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

''ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ قَالَہٗ ثَلٰثًا'' (ابوداود، ترمذی) کہ ''بدفالی ایک شرک ہے، اس کو تین مرتبہ فرمایا'' اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں ایسا کوئی نہیں جس کو خیال نہ آتا ہو لیکن اس کو توکل کے ذریعہ بھگا دیتا ہے (ابوداود، ترمذی)''

فائدہ: جو بات مشہور ہو اس کا خیال وقت پر آہی جاتا ہے لیکن اس خیال پر عمل کرنا یا اس کو دل میں جمانا جائز نہیں ہے بلکہ توکل کے خیال کو غالب کرے تو وہ خیالِ باطل فوراً رفع دفع ہو جائے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت اور مکان اور گھوڑے میں نحوست ہونا جو مروی ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی، محمد بن راشد نے فرمایا کہ ماہِ صفر شروع ہونے کو زمانۂ جاہلیت میں منحوس سمجھا جاتا تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفر میں کوئی نحوست نہیں، اسلام میں بذاتِ خود کوئی چیز منحوس نہیں، جس طرح ابھی مذکور ہوا کہ نحوست نہ گھوڑے میں ہے نہ عورت میں نہ مکان میں اور نہ ماہِ صفر میں، اسی طرح کوئی دن بھی منحوس نہیں ہے۔ (قمری مہینوں کے فضائل واحکام، مرتبہ: حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم، ص: ۶۲،۵۲)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، دامت برکاتہم
نائب رئیس ———— جامعہ دارالعلوم کراچی

یادیں

(تیرہویں قسط)

لسبیلہ ہاؤس کے مکان میں

رمضان ۱۳۷۴ھ (تقریباً مئی ۱۹۵۵ء) تک ہماری رہائش برنس روڈ کے قریب کیمبل اسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں تھی۔ اس فلیٹ میں ہم پانچ سال مقیم رہے۔ یہ زمانہ بڑا بابرکت ثابت ہوا۔ اسی قیام کے دوران اُس حج کی توفیق ہوئی جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ یہیں پر بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم نے حفظ قرآن کی تکمیل کر کے پہلی محراب سُنائی، یہیں رہتے ہوئے نانک واڑہ میں دارالعلوم قائم ہوا، اور ہماری باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔ یہیں پر ہماری بڑی بہن محترمہ عتیقہ خاتون صاحبہ جو دیوبند سے بیوہ ہو کر آئی تھیں، ان کا نکاح حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ یہیں پر ہماری دوسری بہن جنہیں ہم چھوٹی آپا کہتے ہیں، ان کا نکاح لاہور کے جناب حافظ شفقت علی صاحب مرحوم سے ہوا، اور یہیں ہمارے دوسرے بڑے بھائی جناب محمد رضی صاحب مرحوم کا نکاح ہوا جو حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ اور یہیں رہتے ہوئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دوسرے رفقاء نے بورڈ تعلیمات اسلامیہ میں پاکستان کے دستور کی اسلامی بنیادیں طے کیں جن کے نتیجے میں ۱۹۵۴ء کا دستوری مسودہ مؤثر اسلامی دفعات کے ساتھ تیار ہوا (اگرچہ بعد میں گورنر جنرل غلام محمد نے دستور یہ توڑ کر ملک کو پٹڑی سے اتار دیا، اور یہ مسودہ طاق نسیان میں چلا گیا)

لیکن یہ مکان بھی کرایہ کا تھا، اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ کراچی میں مکان اپنا ہو۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ ہندوستان سے ہجرت کے وقت اچھی خاصی جائیداد کے مالک تھے، جس میں وسیع گھر کے علاوہ کچھ آبائی زرعی زمینیں تھیں، اور ایک باغ بھی تھا، جو انہوں نے بڑے شوق سے

لگایا تھا، اور جس سال آپ نے وہاں سے ہجرت فرمائی، اس سال اس پر آم کا پہلا پھل آرہا تھا، لیکن حضرت والد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جس دن میں نے اس گھر اور باغ سے قدم باہر نکالا، وہ گھر اور باغ میرے دل سے نکل گئے۔ چنانچہ پاکستان ہجرت کے بعد یہ تمام جائیدادیں ہندوستان کی حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیں۔

بالآخر پاکستان اور ہندوستان کے ایک معاہدے کے نتیجے میں یہ طے پایا کہ آبادی کے تبادلے کے نتیجے میں جو لوگ اپنی جائیدادیں ایک ملک میں چھوڑ کر دوسرے ملک گئے ہیں، انہیں ایک خاص ضابطے کے تحت نئے ملک کی متروکہ جائیدادوں میں سے حصہ دیا جائیگا۔ اس طرح حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی متروکہ جائیدادوں کے بدلے کراچی کے محلے لسبیلہ ہاؤس میں ایک پلاٹ ملا تھا جس پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چار کمروں کا مکان تعمیر فرمالیا تھا۔ (مجھے یاد ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان چار کمروں کی تعمیر پر آٹھ ہزار روپے خرچ ہوئے تھے۔)

چنانچہ رمضان ۱۳۷۴ھ میں اُس کی تعمیر مکمل ہوگئی تھی، اور اُس میں منتقل ہونے کیلئے عید کا انتظار تھا۔ ہم بھائیوں نے یہ طے کیا کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب اُسی مکان کی چھت پر شبینہ کر کے گذاری جائے۔ برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم ماشاء اللہ حافظ ہیں۔ انہوں نے اپنے کئی ہم سبق حفاظ کو جمع کر کے تراویح ہی میں وہاں شبینہ کیا، اور غالباً دس یا بارہ پاروں کی تراویح میں تلاوت کی۔ اور عید کے بعد ۴ر شوال ۱۳۷۴ھ (مطابق تقریباً ۲۵رمئی ۱۹۵۵ء) کو ہم اُس گھر میں منتقل ہوگئے۔

برنس روڈ کے مکان سے تو ہم پیدل ہی مدرسے چلے جایا کرتے تھے۔ لیکن لسبیلہ ہاؤس کا مکان مدرسے سے تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر تھا، اس لئے وہاں ہم دونوں بھائی سائیکل پر جایا کرتے تھے۔ سائیکل حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم چلاتے، اور میں اُن کے پیچھے کیریر پر یا اگلے ڈنڈے پر بیٹھ کر جایا کرتا تھا۔ کبھی کسی وجہ سے سائیکل میسر نہ ہوتی، تو بس میں بھی جانا پڑتا، اور اُس کے لئے دو بسیں بدلنی پڑتی تھیں۔

لاہور اور دیوبند کا سفر

اسی تعلیمی سال کے دوران جب میری عمر بارہ سال تھی، میری والدہ صاحبہ کو دو سفر درپیش تھے، ایک سفر لاہور کا۔ اور دوسرے والدہ صاحبہ اپنے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں سے ملنے کیلئے دیوبند بھی جانا چاہتی تھیں۔

اگر چہ یہ میری پڑھائی کا زمانہ تھا، اور اس سفر میں ایک مہینے سے بھی شاید کچھ زیادہ مدت لگنی تھی، اور اتنے دن کا ناغہ میری تعلیم کے لئے نقصان دہ تھا، لیکن میری عمر بارہ سال تھی، اور میری والدہ نہ میرے بغیر سفر کرتی تھیں، اور نہ میں ان کے بغیر رہ سکتا تھا۔ اس لئے میں بھی یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو انہی کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ لیکن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاکید فرمائی تھی کہ جب تک لاہور میں رہوں، جامعہ اشرفیہ میں اسباق میں شریک ہوجاؤں، اور جب تک دیوبند رہنا ہو، دارالعلوم دیوبند میں۔ چنانچہ لاہور پہنچ کر حسب معمول جب حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کا ذکر کیا، تو حضرتؒ نے بڑی شفقت سے متعلقہ اسباق میں بیٹھنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ میں وہاں اپنے تمام اسباق میں شریک ہوتا رہا۔ حسن اتفاق سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحب زادے یعنی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد میں جوانی ہی میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تھے) اور حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہم (موجودہ مہتمم جامعہ اشرفیہ) بھی اُس سال وہی کتابیں پڑھ رہے تھے جو میں پڑھ رہا تھا، اس طرح ان کے ہم سبق ہونے کا شرف حاصل ہوگیا، اور ہم تمام اسباق میں اکٹھے شریک ہوتے رہے۔

اگر چہ دارالعلوم میں اپنے اسباق کو میں جس مقام پر چھوڑ کر آیا تھا، ضروری نہیں تھا کہ یہاں بھی پڑھائی اُسی مقام پر ہوتی، دوسرے کسی نئے استاذ سے مناسبت پیدا کرنے میں بھی کچھ وقت لگتا ہے، اس لئے اس طرح سفر کے نتیجے میں جو تعلیمی نقصان ہونا تھا، اُس کی پوری تلافی تو نہیں ہوسکتی تھی، لیکن کچھ نہ ہونے سے کچھ ہوجانا بہتر تھا، اس لئے میں نے اسی کو غنیمت سمجھا تھا۔ اور بعد میں یہ غنیمت غنیمتِ کبریٰ اس طرح بن گئی کہ ہمارے شرح جامی اور شرح تہذیب کے استاد چھٹی پر چلے گئے۔ میں نے یہ سوچ کر کہ یہ مفلسی میں آٹا گیلا ہوگیا، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے دونوں صاجبزادوں سے جو میرے ہم سبق تھے، یہ تجویز پیش کی کہ ہم حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں چل کر اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ ان دو کتابوں کے پڑھانے کے لئے کسی دوسرے استاد کا انتظام فرمادیں۔ چنانچہ ہم تینوں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ درخواست پیش کی۔ حضرتؒ ہماری یہ درخواست سُن کر کِھل اُٹھے، اور جواب میں ایسی بات ارشاد فرمائی جو ہماری توقعات سے کہیں زیادہ تھی۔ فرمایا: "کچھ فکر نہ کرو، ہم تمہیں یہ کتابیں پڑھائیں گے، اور ان کتابوں

کے گھنٹے میں یہاں میرے پاس آجایا کرو"۔ یہ سُن کر ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حضرتؒ نے عرصۂ دراز سے تدریس کا سلسلہ چھوڑا ہوا تھا۔ اپنی ٹانگ کٹنے کے بعد وہ ٹانگ سے معذور تھے، اور اس حالت میں اُن کا وجود سراپا رشد وہدایت تھا، اور ان کی مجلس ہمہ وقت اپنے شیخ حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکروں اور اُن کے افادات سے آباد تھی، اور اُس چھوٹی سی عمر میں وہ مجھے دنیا کے مقدس ترین انسان لگتے تھے، اور جب کبھی کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا خیال آتا، تو ان کے سوا کسی اور کی طرف ذہن نہیں جاتا تھا۔ ان کی موجودہ کیفیت دیکھنے والا کوئی شخص یہ تصور بھی نہ کرسکتا تھا کہ وہ شرح جامی اور شرح تہذیب جیسی کتابیں پڑھائیں گے۔ لیکن حضرتؒ نے اپنی شفقتوں سے نہال فرمادیا۔ ان کا مکان نیلا گنبد کے مدرسے کے ایک فلیٹ میں تیسری منزل پر واقع تھا۔ ہم روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور حضرتؒ کے درس کے دوران اندازہ ہوتا کہ تقدس اور ولایت کا یہ سراپا نحو اور منطق کی دقیق باتوں کو بھی کتنی آسانی سے سمجھا دیتا ہے۔ شرح جامی میں حاصل ومحصول کی بحث اچھی خاصی مشکل سمجھی جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ حضرتؒ نے ہمیں وہ بحث چٹکیوں میں سمجھادی تھی۔ اسی طرح شرح تہذیب کا اُس وقت کا نصاب ضابطے کی بحث تک ہوتا تھا، اور ضابطہ مشکل ہونے کی وجہ سے نصاب سے خارج تھا، لیکن حضرتؒ نے فرمایا کہ ہم تمہیں وہ بھی پڑھائیں گے، اور واقعۃً پڑھایا اور خوب پڑھایا۔ رحمہ اللہ تعالی رحمۃً واسعۃ.

تقریباً چھبیس دن لاہور کا قیام مکمل کرنے کے بعد ۲۷ نومبر ۱۹۵۵ء کو والدہ صاحبہ کو دیوبند جانا تھا۔ اس سفر میں ہمارے بھائی جان (جناب محمد زکی کیفی صاحب مرحوم) والدہ صاحبہ کو دیوبند لے جانے کیلئے تیار ہوگئے، اور ان کی رفاقت میں ہم ریل کے ذریعے روانہ ہوئے۔ اُس زمانے میں ہندوستان کا سفر نت نئی مشکلات کا حامل تھا۔ کسٹم سے گذرنا، اور اُس کے بعد ریل میں سوار ہونا دنیا کے میدان حشر سے کم نہ تھا۔ اس ریل نے امرتسر پہنچایا، اور وہاں سے دوسری ٹرین ملی جس نے پورا مشرقی پنجاب عبور کرکے رات گئے دیوبند کے اسٹیشن پر اُتارا۔ میرے بچپن کے ذہن میں دیوبند کی جگہوں کا جو تصور تھا، اب چھ سال میں کراچی اور لاہور کی شہری زندگی کا عادی ہوجانے کے بعد وہ ساری جگہیں بہت چھوٹی نظر آرہی تھیں۔ میرے ذہن میں دیوبند کے اسٹیشن اور پلیٹ فارم وغیرہ کی جو تصویر بیٹھی ہوئی تھی، ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُس تصویر کو یکا یک چھوٹا کردیا ہے۔ پلیٹ فارم پر رشتہ داروں کا بڑا مجمع تھا، اور والدہ صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے اُن سے ملنے اور سب کے

چہروں سے پھوٹتی ہوئی خوشی کا منظر قابل دید تھا۔

ہمارا قیام اپنے ماموں جناب انوار کریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں ہوا۔ اگلے دن میں نے اپنی بچپن کی گلیوں اور اپنے مکان کا چکر لگایا، ہمارا مکان اب شرنارتھیوں کے قبضے میں تھا، مگر انہوں نے اندر آنے کی اجازت دیدی، اور اُس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لگایا ہوا یہ کتبہ درسِ عبرت دے رہا تھا:

دنیا کا کچھ قیام نہ سمجھو، کرو خیال
اس گھر میں تم سے پہلے بھی کوئی مقیم تھا

یہ شعر تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گھر کی تعمیر کے وقت کندہ کرایا تھا جب اس گھر کو چھوڑنے کا کوئی تصور بھی نہیں تھا، لیکن آج یہ شعر اُس کے نئے مکینوں کو عبرت دلا رہا تھا۔ اس کے علاوہ میرے بڑے بھائی جناب محمد رضی عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس گھر کو چھوڑتے وقت اُس کی بالائی منزل کے ایک چھجے کے نیچے کوئلے سے ایک شعر لکھ آئے تھے۔ یہ کوئلے سے لکھا ہوا شعر بھی اُس وقت پڑھا جاتا تھا:

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

بہر حال! اپنے گھر میں دوسروں کی اجازت سے داخل ہونے اور ان کا ممنون ہونے کے بعد ہم اپنے محلے میں نکلے، اُس کی ایک ایک چیز اپنی جگہ موجود تھی، لیکن چھوٹی نظر آرہی تھی، یہاں تک کہ وہ چوک جس کا تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ایک بڑے میدان یا اسٹیڈیم کی حیثیت رکھتا تھا، اب یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ سمٹ کر ایک چھوٹا سا صحن بن گیا ہے۔

زندگی کے مختلف مراحل میں انسان مختلف چیزوں کو بڑا سمجھتا ہے، لیکن بعد میں جب ان کی حقیقت واضح ہوتی ہے تو انسان اس بات پر ہنستا ہے کہ میں نے کس چیز کو بڑا سمجھا تھا۔ یہ دنیا بھی آج ہمیں بہت بڑی نظر آتی ہے، لیکن آخرت میں پہنچ کر جب اس کی حقیقت کھلے گی تو یقیناً اپنی اس کوتاہ نظری پر ہنسی آئے گی۔

بہرکیف! دیوبند کے قیام کے دوران حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق میں نے دارالعلوم دیوبند میں اپنے اسباق شروع کردیئے۔ شرح جامی اُس وقت حضرت مولانا نصیرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے تھے (جو بعد میں شیخ الحدیث بنے) الحمدللہ ان سے استفادے کی نوبت آئی۔ کنزالدقائق

اور شرح تہذیب حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے پاس تھی، اور مقامات حریری حضرت مولانا جلیل الرحمٰن صاحب کے پاس۔ میرے پھوپی زاد بھائی حضرت مولانا سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دارالعلوم کے بڑے قابل اور مقبول استاد تھے، وہ بھی مقامات حریری پڑھاتے تھے، اور میری اور ان کی خواہش تھی کہ میں اُن کے پاس مقامات پڑھوں، لیکن اُن کے گھنٹے کا کنز الدقائق سے تعارض تھا، اس لئے میں اُن سے استفادہ کرنے سے محروم رہا، لیکن دیوبند کے اس سفر کا یہ فائدہ ہوا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند کا، غیر رسمی ہی سہی، طالب علم بننے کی سعادت حاصل ہوگئی، اور اُسی زمانے میں مجھے وہاں کے اکابر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ میری عمر اتنی چھوٹی تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں باقاعدہ حاضری دینے کا حوصلہ نہ ہوا، لیکن دور دور سے الحمد للہ زیارت کی سعادت حاصل ہوگئی۔

میری ایک خالہ دیوبند سے کچھ فاصلے پر تحصیل کھتولی کے ایک گاؤں سرائے رسول پور میں مقیم تھیں۔ والدہ صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ اُن سے ملنے دو دن کے لئے وہاں بھی گئیں، اور میں ان کے ساتھ تھا۔ کھتولی وہ قصبہ ہے جو ہمارے روحانی جد امجد حضرت میاں جی منے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن تھا۔ یہاں سے ایک کچی سڑک نہر کے کنارے کنارے سرائے رسول پور جاتی تھی۔ اس سڑک پر رکشہ کے ذریعے ہم سرائے رسول پور پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت اور سرسبز وشاداب گاؤں تھا جس کی واحد مسجد کی امامت ہمارے خالو کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ہماری خالہ وہاں مقیم تھیں۔ یہ دو دن اس گاؤں میں بڑے پرلطف گذرے۔ خالص دیہاتی ماحول کا پہلی بار مشاہدہ ہوا، اور اسی میں یہ دلچسپ واقعہ بھی پیش آیا کہ ہماری خالہ کی ایک پڑوسن کو جب پتہ چلا کہ ہم لوگ کراچی سے آئے ہیں، تو انہوں نے مجھے اپنے گھر بلا بھیجا۔ یہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں، اور میں چونکہ بارہ سال کا بچہ تھا، اس لئے انہوں نے مجھ سے پردہ بھی نہیں کیا۔ گھر میں بٹھا کر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کراچی سے آئے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو اُنہوں نے کہا: "تم میرے بیٹے حسین کو تو جانتے ہوگے، اُس کا کیا حال ہے؟" میں نے کہا: "میں تو ان کو نہیں جانتا" اس پر خاتون کی حیرانی قابل دید تھی، انتہائی تعجب کے لہجے میں وہ بولیں: "ہائے! تم کراچی میں رہتے ہو، اور حسین کو نہیں جانتے؟" میں نے کہا: "وہ کہاں رہتے ہیں؟" کہنے لگیں: "ارے وہ اُسی کراچی میں رہتا ہے جس میں تم رہتے ہو"۔ اب میں سمجھا کہ یہ خاتون کراچی کو بھی سرائے رسول پور پر قیاس فرما رہی ہیں کہ

جیسے یہاں رہنے والا ہر شخص ایک دوسرے کو جانتا ہے، اسی طرح کراچی کا ہر باشندہ بھی ایک دوسرے کو جانتا ہوگا۔اس پر میں نے اُن کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کراچی اتنا بڑا شہر ہے کہ اُس کا ایک سرا اگر یہاں سمجھا جائے تو دوسرا سرا میرٹھ میں ہوگا۔یہ سن کر وہ اس قدر حیران ہوئیں جیسے میں انہیں الف لیلہ کی کوئی کہانی سُنا رہا ہوں۔

اب خیال آتا ہے کہ جب قرآن کریم جنت کے بارے میں یہ فرماتا ہے کہ اُس کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے ، یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک ادنیٰ جنتی کو اتنا بڑا رقبہ دیا جائیگا جو پوری دنیا سے دوگنا زیادہ ہوگا، تو اُس پر ہماری حیرت اُس دیہاتی خاتون کی سی ہوتی ہے جو کراچی شہر کے بارے میں یہ تصور کرنے کو تیار نہیں تھی کہ وہ سرائے رسول پور سے اتنا زیادہ بڑا ہوگا کہ اُس میں ایک باشندہ دوسرے کو پہچانتا نہیں ہوگا، اور جس کی سادگی پر ہمیں ہنسی آجاتی ہے۔لیکن وہ انبیاء کرام جو یا تو اپنی آنکھوں سے عالم بالا کی سیر کر آئے ہیں یا عالم بالا کے پیدا کرنے والے نے براہ راست ان کو وہاں کی خبر پہنچادی ہے، وہ ہم دنیا کے دیہاتیوں کو حیرت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، پھر بھی انکو ہم پر ہنسی نہیں، ترس آتا ہے۔

بہر کیف! اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ لاہور اور دیوبند کا یہ سفر بڑا پر کیف بھی تھا، اور میرے لئے بہت سی سعادتوں کا بھی سبب بنا۔

وہاں سے واپس آکر میں لاہور ہی میں تھا کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ جمعیت علماء اسلام کی طرف سے مغربی پاکستان کا دورہ کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے ، اور آگے پنجاب اور صوبہ سرحد کے دورے پر روانہ ہونے کا پروگرام تھا۔اس سفر میں حضرت والد صاحب قدس سرہ کی معیت نصیب ہوئی جس کی کچھ تفصیل ذکر کرنے سے پہلے حضرت والد صاحبؒ کی اُس وقت کی مصروفیات کا کچھ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

جاری ہے..........

☆☆☆

جھوٹ بولنے کے نقصانات

عن عبدالله قال قال رسول الله .صلى الله عليه وسلم . اياكم والكذب فان الكذب يهدى الى الفجور وان الفجور يهدى الى النار وان الرجل ليكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا وعليكم بالصدق فان الصدق يهدى الى البر وان البر يهدى الى الجنة وان الرجل ليصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا(سنن ابى داود . ۴/ ۴۵۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ جھوٹ سے بچو، اس لئے کہ جھوٹ (انسان) کو گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ (انسان) کو دوزخ کی طرف لے جاتا ہے، اور آدمی جھوٹ بولتا ہے پھر وہ جھوٹ بولتے بولتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے، اور تم لوگ سچ بولنے کو لازم کرلو کیونکہ سچ انسان کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان سچ بولتا ہے پھر سچ بولتے بولتے انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ
سابق ناظم اعلیٰ وشیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل

الحمدلله و کفی وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ ... اما بعد ....

عدل وانصاف ایک ایسا وصف ہے جس پر نظام عالم اور اس کی درستی موقوف ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے یہ وصف قرآن کریم میں ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کارخانہ عالم اور اس کا ٹھیک نظام اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر چل رہا ہے، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ وصف اپنے پورے کمال کے ساتھ موجود تھا۔

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کا تعلق انسان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی اور زندگی کے ہر شعبہ سے بھی نہایت قوی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام چیزوں میں عدل وانصاف کے اس بلند ترین مرتبہ پر تھے کہ اس سے بلند کا تصور نہیں ہوسکتا، چنانچہ آپ کی انفرادی زندگی اور اس کا ہر گوشہ عدل کا کامل نمونہ تھا، آپ بیک وقت نبی ورسول بھی تھے، حاکم وبادشاہ بھی اور قاضی ومنتظم بھی، شوہر بھی تھے اور باپ بھی، دوست بھی تھے اور مصلح بھی، کامل انصاف کے ساتھ ان تمام گوشوں پر عمل کرنا حق یہ ہے کہ آپ کا ہی منصب تھا، عدل کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح عمل کیا جائے جس سے کسی کی ادنی سی حق تلفی نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی عدل پر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عمل فرماتے تھے، چنانچہ آپ اپنے جسم اطہر کا بھی حق ادا فرماتے اور روح مقدس کا بھی، آرام کے وقت آرام اور کام کے وقت کام کرتے تھے، آپ کھاتے پیتے بھی تھے اور روزے بھی رکھتے تھے، سوتے بھی جاگتے بھی، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ چند حضرات صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت وغیرہ کا حال دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ تو ہر گناہ اور عیب سے پاک ہونے کے باوجود ایسی عبادت کرتے ہیں، ہم گناہگاروں کو تو اور زیادہ عبادت کرنی چاہئے، چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے یہ عہد کیا کہ وہ آئندہ بہت روزہ رکھا کریں گے، دوسرے نے عہد کیا کہ وہ رات بھر نماز میں کھڑے رہ کر گزار

دیا کریں گے اور تیسرے نے عہد کیا کہ وہ عمر بھر نکاح نہ کریں گے تا کہ فراغت کے ساتھ عبادت میں ہر وقت مشغول رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ایک عام خطاب کے ذریعہ ان کی اصلاح فرمائی پھر فرمایا کہ مجھے تو دیکھو میں روزہ رکھتا بھی ہوں چھوڑتا بھی ہوں، سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، مطلب یہ ہے کہ زندگی میں اعتدال و توازن برقرار رکھا جائے، یہی اس کے ساتھ عدل وانصاف ہے۔

عدل وانصاف کا نازک پہلو وہ ہوتا ہے کہ خود اپنی ذات کے معاملے میں راستی اور حق پرستی کے ساتھ اس پر قائم رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی سب سے ممتاز ہیں، آپ سب سے پہلے اپنی ذات کے ساتھ عدل کا معاملہ فرماتے، حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور گستاخانہ رویہ اختیار کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو سزا دینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت نہ دی، اسی طرح ایک بدّو نے سختی کے ساتھ آپ سے قرض کا مطالبہ کیا، حضرات صحابہؓ نے اس سے کہا کہ تو جانتا ہے تو کس سے اس طرح بات کر رہا ہے اس نے کہا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو، حق دار کو بولنے کا حق ہے ۔۔۔۔ ایک گوشہ نشین کے لئے عدل وانصاف سے کام لینا آسان ہوتا ہے لیکن جس کا تعلق اہل وعیال، خاندان، دوست احباب اور مختلف مزاج کے بے شمار لوگوں سے ہو تو اس حالت میں عدل وانصاف پر پورا اترنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں بھی سب سے آگے تھے، آپ اپنی بے انتہا تبلیغی اور اصلاحی مشغولیتوں کے باوجود اہل وعیال وغیرہ کے معاملہ میں پورا پورا عدل فرماتے، کیا مجال کہ یہ جھکاؤ کسی ایک طرف آپ سے ظاہر ہوا ہو۔ ایک مرتبہ آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تھے آپ کی کسی دوسری زوجہ محترمہ نے ایک پیالہ میں کھانے کی کوئی چیز آپ کو بھیجی، حضرت عائشہؓ نے غیرت کے مارے اس پیالہ پر ہاتھ مارا جس سے وہ گر کر ٹوٹ گیا تو آپ نے حضرت عائشہؓ کے گھر سے ایک پیالہ ان کے یہاں بھجوایا۔

اسی طرح عدل وانصاف کے معاملے میں نہ رشتہ داری آڑے آتی تھی، نہ دوستی۔ ایک دفعہ قریش کی کسی عورت نے چوری کر لی اور وہ چوری ثابت بھی ہوگئی، قریش کی عزت کی وجہ سے بعض لوگ چاہتے تھے کہ چور سزا سے بچ جائے اور کسی طرح یہ معاملہ دب جائے، حضرت اُسامہؓ بن زید جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص محبوب تھے، ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ اس معاملہ میں حضور سے سفارش کر دیجئے کہ اس کو معاف فرمادیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرنے کی سفارش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غضبناک ہو گئے اور

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ حد میں سفارش کرتے ہو، بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پر قانون نافذ کرتے اور بڑے لوگوں سے درگزر کرتے تھے، پھر فرمایا کہ قانون خداوندی کی زد میں (خدانہ کرے) اگر میری جگر گوشہ فاطمہؓ بھی آجائے گی تو میں اس پر وہ قانون جاری کردوں گا۔۔۔ آپ کو ہر وقت عرب کے مختلف قبائل اور دوسرے لوگوں سے واسطہ رہتا تھا، ان میں دوست بھی تھے دشمن بھی، جان نثار بھی تھے اور خون کے پیاسے بھی لیکن جب عدل وانصاف کا معاملہ آتا تو بلا امتیاز آپ حق کے مطابق فیصلہ فرماتے، ابوداؤد میں ہے کہ صخرؓ ایک قبیلہ کے سردار اور بڑے با اثر شخص تھے انہوں نے اہل طائف کو مجبور کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع وفرماں بردار بنایا تھا جو ایک عظیم احسان تھا لیکن جب صخر کے خلاف بعض حضرات نے ایک مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ اور ان کے احسان کی پرواہ نہ کی۔۔۔۔۔ یہودیوں کی دشمنی آپ سے اور اہل اسلام سے کوئی پوشیدہ چیز نہ تھی، لیکن جب عدل وانصاف کا مسئلہ آجاتا اور یہودی حق پر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے حق میں فیصلہ فرماتے، مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام ابوحدادتھا ایک یہودی کے مقروض ہوگئے، اس نے اپنے قرض کا مطالبہ کردیا، اِن کے پاس بدن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا جس سے اس کا قرض ادا کرتے، انہوں نے اس یہودی سے مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا، آپ نے پوری کارروائی سن کر اپنے جان نثار صحابی سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کردو، انہوں نے عذر کیا کہ میرے پاس ان کپڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں، آپ نے پھر یہی حکم دیا (جس کا مطلب یہ تھا کہ بقدر ضرورت بدن کے کپڑے رکھ کر باقی سے قرض ادا کردو) چنانچہ انہوں نے اپنا تہبند اتار کر عمامہ اس کی جگہ باندھ لیا اور اس تہبند سے قرض ادا کردیا۔ اسی طرح خیبر میں جہاں تمام آبادی یہودیوں کی تھی ایک صحابی مقتول پائے گئے، قاتل کا علم نہ ہوسکا، ظاہر ہے کہ قاتل کوئی یہودی ہوگا۔ مقتول کے وارثوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استغاثہ کیا اور اپنا شبہ یہودیوں پر ظاہر کیا، مگر کوئی ثبوت مہیا نہ کرسکے، آپ نے یہودیوں سے کچھ نہ کہا اور بیت المال سے دیت ادا کردی۔

اسی عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہودی بھی جو آپ کے جانی دشمن تھے اپنے مقدمات آپ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصاف کے ساتھ فیصلہ فرماتے اور وہ خوش خوش واپس جاتے، یہودیوں نے اپنے یہاں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز قائم کررکھا تھا، کمزور قبیلہ والے سے قصاص لے لیتے

اور طاقتور قبیلہ والے کو چھوڑ دیتے، ایسا ہی ایک مقدمہ حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے طاقتور قبیلہ سے قصاص دلوایا، اسی لئے اہل اسلام کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے کہ اس روئے زمین پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کوئی عدل وانصاف کرنے والا نہیں۔

آپ نے اسی عدل وانصاف پر حکومت وسلطنت کی بنیاد رکھی جو اس قدر مضبوط اور مستحکم تھی کہ ایک ہزار سال تک نہ کوئی زلزلہ اس کو ہلا سکا نہ کسی طوفان سے اس میں رخنہ پیدا ہوا، اگر عدل انصاف کا معیار قائم رہتا تو رہتی دنیا تک ایسی حکومت کو کوئی مٹا نہیں سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی پر اور عدل وانصاف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

بلقان ریاستوں کا سفر

الحمد لله رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسوله الکریم وعلی آله و اصحابه اجمعین وعلی کل من تبعهم باحسان إلی یوم الدین اما بعد

آج سے بارہ سال پہلے میں نے مشرقی یورپ کے ملک البانیہ کا سفر کیا تھا، اور دینی لحاظ سے اس کی حالت زار کا مفصل تذکرہ اپنے سفر نامے میں کیا تھا جو میری کتاب "سفر در سفر" میں چھپ چکا ہے۔ یہ سفر میں نے برطانیہ کی تنظیم "مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ" کی دعوت پر کیا تھا۔ اس رمضان ۱۴۳۹ھ میں مجھے اسی تنظیم کے سربراہ مولانا حنیف صاحب نے بتایا کہ وہ برطانیہ کے متعدد علماء کے ساتھ بلقان ریاستوں کا دورہ کر رہے ہیں، جن میں البانیہ کے علاوہ مقدونیہ، مونٹی نیگرو اور بوسنیا بھی شامل ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ پچھلے بارہ سال کے دوران ان ملکوں میں دعوتی اور تبلیغی کام خاصا آگے بڑھا ہے، اور اب ضرورت ہے کہ اس کو مزید آگے بڑھانے کے لئے علماء کا ایک دورہ ہو جس سے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی بھی ہوگی، اور مزید کام کے لئے بنیادیں بھی ڈالی جا سکیں گی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ڈابھیل کے مفتی اعظم حضرت مولانا احمد خانپوری صاحب مدظلہم نے بھی اس سفر میں ساتھ رہنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ عید کے فوراً بعد میں بھی ان کے قافلے میں شامل ہو جاؤں، تو ان شاء اللہ دورے کے مفید اثرات میں اضافہ ہوگا۔ اگر چہ عمر کے اس حصے میں اس قسم کے طوفانی دورے میرے لئے مشکل ہوتے ہیں، لیکن البانیہ کے پچھلے سفر میں میں نے جو حالات دیکھے تھے، ان کی وجہ سے میں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ دعوت قبول کر لی، اور ۴ر شوال ۱۴۳۹ھ کا دن گذار کر رات کے ساڑھے چار بجے دوحا کے راستے مقدونیہ (Macedonia) کے دارالحکومت اسکوپیا (Scopje) کے لئے روانہ ہوا، اور مقدونیہ کے وقت کے مطابق (جو ہم سے تین گھنٹے آگے ہے) صبح کے سوا گیارہ بجے اسکوپیا کے ہوائی اڈے پر اترا جہاں مولانا حنیف صاحب کے نمائندے مولانا رجب صاحب نے استقبال کیا جو رائے ونڈ کے مدرسے کے پڑھے ہوئے ہیں، اور اردو اچھی طرح بولتے اور سمجھتے ہیں۔ طویل سفر اور رات کی بے خوابی کی بنا پر وہ دن کچھ آرام اور اسکوپیا کے قریبی

تاریخی مقامات دیکھنے میں گذرا۔

یہ سارا علاقہ جزیرہ نمائے بلقان کا ایک حصہ تھا، جزیرہ نمائے بلقان یورپ کا ایک مثلث نما جزیرہ ہے جو شمال میں وسطی یورپ اور جنوب میں بحر ابیض کے مشرقی حصے سے ملتا ہے۔ بلقان کے بیشتر علاقوں کے کنارے ایڈریاٹک یا بحر ایجین یا بحر اسود سے ملتے ہیں۔ کسی زمانے میں بلقان کا بیشتر حصہ خلافت عثمانیہ کا ایک ڈویژن تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد بلقان کے جو حصے خلافت کے ماتحت تھے، ان میں سے اکثر رفتہ رفتہ خلافت کے تسلط سے نکلتے گئے۔ البانیہ نے ایک مستقل ریاست کی حیثیت اختیار کر لی، اور کچھ عرصے بعد بلغراد، مقدونیہ، مونٹی نیگرو اور بوسنیا پر آسٹریا کا تسلط رہا، پھر کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس کے بیشتر حصے یوگوسلاویہ کا حصہ بن گئے تھے، یوگوسلاویہ کی تحلیل کے بعد ۱۹۹۱ء سے اب یہ ایک مستقل ملک ہے۔ کمیونسٹ حکومت کے دور میں یہاں مسلمانوں پر اتنے مظالم تو نہیں ہوئے جتنے البانیہ میں ہوئے، لیکن پھر بھی کمیونسٹ حکومت کے تحت مسلمانوں کو زندگی بسر کرنا مشکل ہوگیا۔ اسکے صرف ایک مشرقی شہر بتولا (Bitula) میں جو درحقیقت بیت اللہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، بہتر مسجدیں تھیں جن میں مدارس بھی تھے۔ کمیونسٹ انقلاب کے بعد ان کی اکثریت کو شہید کر دیا گیا، اور صرف دس مسجدیں باقی رہ گئیں جن میں سے صرف چار استعمال میں ہیں، اور ایک کو عجائب گھر بنا دیا گیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مختلف ملکوں میں جا بسی۔ چنانچہ اب یہاں مسلمانوں کا تناسب تقریباً چالیس فی صد رہ گیا۔ اس کو پیا ایک خوبصورت شہر ہے جو دریائے واردار کے دونوں طرف آباد ہے۔ مولانا رجب نے بتایا کہ اس کے ایک طرف زیادہ تر عیسائیوں کی آبادی ہے، اور دوسری طرف زیادہ تر مسلمانوں کی۔

الحمد للہ یہاں خلافت عثمانیہ کے زمانے کی خوبصورت مسجدیں اب بھی موجود ہیں، اور ہماری قیام گاہ ہوٹل بوشی کے بالکل ساتھ سلطان سلیم کے ایک وزیر مصطفیٰ پاشا کی بنائی ہوئی شاندار مسجد تھی جو ۱۴۹۲ء میں تعمیر ہوئی تھی، یعنی وہ تقریباً پونے چھ سو سال پرانی ہے، لیکن اس کا شکوہ اب بھی برقرار ہے۔ ہم نے ظہر کی نماز اسی مسجد میں پڑھی، لیکن نمازیوں کی ایک صف بھی پوری نہیں تھی۔ کچھ مسجدوں میں بچوں کے لئے مکتب بھی قائم ہیں۔

ہمارا پہلے سے نظم یہ تھا کہ بدھ کی صبح تبلیغی مرکز میں حاضری دیں گے، اور وہاں خطاب بھی ہوگا۔ اب برطانیہ سے حضرت مفتی شبیر صاحب مدظلہم اور ان کے ہونہار صاحبزادے مولانا یوسف صاحب (جو آخر وقت تک میری کار میں میرے بہترین رفیق رہے، اور ان کے علمی ذوق کا مجھے پہلے سے بڑا خوشگوار تجربہ تھا)

اور میرے عزیز دوست مولانا ابراہیم راجہ صاحب بھی بندہ کی رفاقت کے لئے ہمارے ساتھ شامل ہوگئے تھے، اور مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے ٹرسٹی اور دار العلوم بلیک برن کے استاذ مولانا رفیق صاحب اپنی اہلیہ اور صاحبزادے حماد سلمہ کے ساتھ اور احمد آباد انڈیا کے افضل میمن صاحب بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ لندن سے اوہرد (Ohird) ائیرپورٹ پر اتر کر تقریباً چار گھنٹے کا سفر کر کے میرے پاس اسکوپیا پہنچ گئے تھے، اور قافلے کے منتظم حضرت مفتی احمد خان پوری صاحب مد ظلہم اور دوسرے رفقاء کے ساتھ اوہرد شہر میں ٹھہر گئے تھے۔ چنانچہ مولانا رجب صاحب اوہرد سے آنے والوں کے ساتھ تین گاڑیوں میں ہمیں وہاں لے جانے کے لئے اسکوپیا سے روانہ ہوئے۔ میری گاڑی میں مولانا ابراہیم راجہ اگلی سیٹ پر تھے۔ مولانا رجب صاحب پہلے مقدونیہ کے جنوبی شہر تیتووا (Tetovo) لے گئے جسمیں تقریباً نوے فی صد مسلمانوں کی آبادی ہے، اور اس کے بعض مضافاتی دیہات میں سو فی صد مسلمان ہیں۔ یہاں بھی شرینہ مسجد کے نام سے ایک ۱۴۹۵ء میں بنی ہوئی تقریباً پونے چھ سو سال پرانی نہایت خوبصورت مسجد ہے جس کی آب وتاب الحمد للہ ابتک برقرار ہے۔ یہ مسجد دو بہنوں نے تعمیر کروائی تھی، ان دونوں بہنوں کا مزار بھی مسجد کے احاطے میں ہے۔ نیز اس مسجد میں بچوں کی دینی تعلیم کے لئے ایک مکتب بھی سالہا سال سے قائم تھا۔ ترکی کے صدر رجب طیب اردگان صاحب نے یہاں کا دورہ کیا، تو اس مکتب کے لئے ایک اچھی عمارت بھی تعمیر کرادی۔ ہم اس مدرسے میں گئے تو وہاں ایک چھیاسی سالہ بزرگ شیخ محمود سے ملاقات ہوئی جنہوں نے بتایا کہ وہ پچاس سال سے یہاں قرآن کریم اور ابتدائی دینی تعلیم کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور ابتک ایک سو اسی بچوں کو حافظ بنا چکے ہیں۔ کمیونسٹ دور میں یہ کام قدرے چھپ چھپ کر کیا گیا، البتہ آزادی کے بعد اب کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ ان کی تپائی پر ایک کتاب رکھی تھی، دیکھا تو وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "احیاء علوم الدین" تھی۔ ہم نے ان سے مولانا رجب صاحب کی ترجمانی کے ذریعے پوچھا کہ انہوں نے تعلیم کیسے حاصل کی؟ تو انہوں نے یہ مختصر جواب دیا کہ ": کچھ مشائخ سے "۔ بظاہر دوسرے کمیونسٹ علاقوں کی طرح انہوں نے بھی چھپ چھپ کر ہی پڑھا ہوگا۔

اس چھوٹے سے خوبصورت شہر میں جگہ جگہ خواتین باپردہ نظر آئیں، اور شہر پر عمومی طور سے مسلمانوں کا شہر ہونے کا تأثر ملا۔ یہ جمعرات کا دن تھا، اور یہاں بڑے سلیقے کے ساتھ جمعرات بازار لگا ہوا تھا جس کے خاتمے پر تیتووا شہر کے عثمانی حاکم کی رہائش گاہ تھی جو وسیع تو بہت تھی، لیکن عمارتیں سادگی کا نمونہ۔

اسی شہر کے مضافات میں تبلیغی مرکز الحمدللہ تعالیٰ قائم ہو چکا ہے۔ شروع میں کچھ اللہ کے بندوں نے ایک گھر میں کام شروع کیا تھا۔ اب اس کے لئے ایک خاصی وسیع عمارت تعمیر ہوگئی ہے۔ یہاں ہم نے نماز ظہر ادا کی، اس کے بعد بندے نے حاضرین سے خطاب کیا جس میں یہاں کے مسلمانوں کو مبارکباد دیکر یہاں کی دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے تبلیغی کام اور تعلیم کی اہمیت پر زور دیا۔ بیان کا مقامی زبان میں ترجمہ مولانا رجب صاحب نے کیا۔ حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔

ان حضرات نے کھانے کا پُر تکلف انتظام کیا ہوا تھا جس میں خود ذبح کئے ہوئے بکرے کا نہایت لذیذ گوشت بھی شامل تھا، لیکن چونکہ ہمیں یہاں سے البانیہ کے ایک شہر پوگرا دیس جانا تھا، جہاں مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقاء اوہر د شہر کا دورہ کر کے پہنچنے والے تھے، اور مغرب کے بعد ایک اجتماع بھی تھا، اور دوپہر کے کھانے کے بعد میرے لئے سفر بہت تعب کا باعث ہوتا ہے، اس لئے میں نے کھانا کھانے کے بجائے یہاں کے نہایت شیریں تربوز اور خربوزے پر اکتفا کیا۔

البانی مسلمانوں کی ایک تنظیم "منتدی الشباب الاسلامی" کا ایک مرکز مقدونیہ میں بھی ہے۔ اسکے سربراہ شیخ احمد میمیتی ازہر کے فارغ التحصیل بڑے فاضل اور فعال نوجوان ہیں، اور آجکل سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہیں انہوں نے ہی مجھے اس سے پہلے سوئٹزرلینڈ میں اپنی تنظیم کے کنونشن میں مدعو کیا تھا جس کی تفصیل میرے داماد مولانا عبداللہ نجیب سلمہ نے لکھ کر البلاغ میں شائع بھی کی تھی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ میں ان کی دعوت پر آسٹریا کے دارالحکومت ویانا بھی گیا تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ میں مقدونیہ آرہا ہوں، تو انہوں نے کوشش کی کہ وہ اس موقع پر میری رفاقت کے لئے یہیں آجائیں۔ لیکن انہیں چھٹی نہ مل سکی، البتہ ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے مرکز میں بھی حاضری دیکر نوجوانوں کو کچھ نصیحت کروں۔ یہ مرکز مزید جنوب میں کچھ فاصلے پر ایک شہر گوستی وار (Gostivar) میں ہے، جو وادء پولاگ میں واقع ہے، اور اس کی آبادی تقریباً اسی ہزار ہے۔ چنانچہ تبلیغی مرکز سے روانہ ہو کر اس شہر میں پہنچے جہاں بیس بیس کیلو کے تربوز دکانوں میں رکھے نظر آئے۔ اسی شہر کے درمیان ایک خوبصورت قدیم مسجد کے سامنے "منتدی الشباب الاسلامی" کا مرکز ہے جہاں ان کے نوجوان نمائندے شیخ معمر (فاضل ازہر) نے ہمارا استقبال کیا، اور اپنی لائبریری دکھائی، جو عربی اور مقامی زبانوں میں اسلامی علوم پر قیمتی کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہاں ہم نے ایک ایسی کتاب بھی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی

تھی۔ یہ "لوامع القول شرح راموز الاحادیث" تھی۔ یہ مرکز اسلامی علوم کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے ایک مفید دار المطالعہ کا کام کرتا ہے، نیز اس میں بعض درس بھی ہوتے ہیں۔ شیخ احمد سے جو سوئٹزرلینڈ میں تھے، ساتھیوں نے اسکائپ پر رابطہ کرایا، وہ ہماری آمد پر انتہائی مسرور تھے، اور بار بار شکریہ ادا کر رہے تھے۔

اب تقریباً چار بجے سہ پہر کا وقت ہوگا جب ہم یہاں سے البانیہ کے لئے روانہ ہوئے۔

تقریباً دو گھنٹے کا یہ سفر نہایت خوبصورت سرسبز پہاڑوں اور زرخیز زمینوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد ہم مقدونیہ اور البانیہ کی سرحد پر پہنچے جہاں ساتھیوں کی امیگریشن میں بہت دیر لگ گئی۔ مقدونیہ اور البانیہ کو مشرقی یورپ کی مشہور جھیل "اوہرد لیک (Ohrid Lake)" تقسیم کرتی ہے جس کے ایک طرف مقدونیہ کے پہاڑ ہیں، اور دوسری طرف البانیہ کے۔ سرحد سے نکل کر ہم مسلسل اس جھیل کے کنارے سفر کرتے رہے۔ پوگرادیس ابھی کچھ دور تھا، اور خطرہ تھا کہ وہاں پہنچتے تک نماز عصر کا وقت نہ نکل جائے۔ اس لئے راستے کی ایک مسجد میں ہمارا تین گاڑیوں کا قافلہ رُکا۔ قریب میں ایک بستی تھی۔ ہمیں دیکھ کر پورے محلے کے مرد، عورتیں اور بچے جمع ہوگئے، نہ وہ ہماری زبان سمجھتے تھے، نہ ہم انکی، لیکن انکے چہروں سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ بڑھکر ہماری کچھ نہ کچھ مدد کرنے کی فکر میں تھے۔ ہمارے قافلے میں تین خواتین بھی تھیں۔ مقامی خواتین انہیں اصرار کر کے اپنے گھروں میں لے گئیں۔ ایک خاتون مسلسل میری اہلیہ کا ہاتھ پکڑے رہیں، اور وضو سے لیکر نماز تک ہر کام بڑی محبت سے کراتی رہیں۔ نماز کے بعد وہ اور دوسری خواتین اپنے بچوں پر مجھ سے دَم کرانے کے لئے لے آئیں، بعض بچوں سے سورۂ فاتحہ سنوائی، اور جو خاتون میری اہلیہ کے ساتھ تھیں، وہ اپنے گھر سے بڑی لذیذ چیریاں ایک تھیلے میں لائیں، اور میری اہلیہ کے ہاتھ میں دیدیں، اور بار بار السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتی رہیں۔ سلام کے علاوہ ہم انکی اور وہ ہماری کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تھے، لیکن انکے چہروں سے ایمانی رشتے کی محبت اور اسکی چمک دل ودماغ کو شاداب کر رہی تھی۔

پوگرادیس اوہرد جھیل کے کنارے ایک خوش منظر شہر ہے۔ پروگرام یہ تھا کہ مغرب کے بعد وہاں ایک مسجد میں اجتماع سے خطاب کرنا ہوگا۔ لیکن ہمیں راستہ تلاش کرنے میں دیر ہوگئی۔ یہاں برطانیہ سے مولانا حنیف صاحب، حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم اور اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ پہلے سے پہنچے ہوئے تھے، اس لئے اس اجتماع میں ان حضرات نے شرکت کی، اور ہم جھیل کے کنارے براہ راست ہوٹل ملیم پہنچ

گئے۔ یہاں اس سفر میں پہلی بار حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن سے مل کر مجھے ہمیشہ ایک روحانی سرور محسوس ہوتا ہے، اور انکی شفقت ومحبت کی مٹھاس رگ وپے میں محسوس ہوتی ہے۔

عشاء سے پہلے اسی ہوٹل میں مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ سے تعلق رکھنے والے ملک بھر کے کارکنوں کا اجتماع تھا، اور بہت سے البانی مسلمان نیز میری یہاں آمد کوسُن کر لندن، مانچسٹر، لیسٹر، اسکاٹ لینڈ اور برطانیہ کے مختلف علاقوں سے دسیوں علماء اور دوسرے احباب بھی یہاں پہنچے ہوئے تھے، اور اسی ہوٹل میں کمرے بک کرائے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے وسیع ہال میں انکا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع سے میں نے خطاب کیا، اور کارکنوں کو مبارکباد دیتے ہوئے عرض کیا کہ بارہ سال بعد اس مرتبہ البانیہ آکر مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی کہ اس عرصے میں یہاں کی فضا میں نمایاں تبدیلی محسوس ہورہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ آپ حضرات کی مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ پھر مجھے اس علاقے میں جن مزید کاموں کی ضرورت محسوس ہوئی، انکا ذکر کرتے ہوئے اخلاص للہ اور رجوع الی اللہ کرتے اور کرتے رہنے کی تلقین کی۔

مولانا حنیف صاحب نے تنظیم کے کاموں کا مختصر تعارف کرایا، پھر قریبی جھیل کی مچھلی سے سب کی تواضع کی۔ بعد میں جھیل کے کنارے ہوٹل کے صحن میں، ہم نے نہایت خوشگوار اور روح پرور ہواؤں کے درمیان نماز عشاء ادا کی جسکا وقت ان دنوں ساڑھے دس بجے ہورہا تھا، اور ہم نے گیارہ بجے نماز پڑھی۔

دن بھر کے اس طویل سفر کے بعد رات ہم نے پوگرادیس میں گذاری۔

اگلے دن جمعہ تھا، اور ہمیں البانیہ کے دارالحکومت ترانا میں دو دن قیام کرنا تھا، اس لئے صبح نو بجے ہم ترانا کے لئے روانہ ہوگئے، اور تقریباً تین گھنٹے کا فاصلہ پہاڑوں اور سبزہ زاروں کے درمیان طے کرتے ہوئے ترانا پہنچے۔

جب میں بارہ سال پہلے ترانا آیا تھا، تو یہاں اکا دکا مسجدیں تھیں، باقی سب کمیونسٹ دور میں یا شہید کردی گئی تھیں، یا انکو کسی اور عمارت میں تبدیل کردیا گیا تھا، لیکن اب بفضلہٖ تعالیٰ بہت سی مسجدیں دوبارہ تعمیر ہوگئی ہیں جنکے منارے دور سے نظر آتے ہیں۔ اُس وقت تبلیغی مرکز بھی ایک جھونپڑی میں تھا، اور اس میں کام کرنے والے بھی اکا دکا تھے۔ لیکن اب ماشاء اللہ شہر کے مضافاتی علاقے میں ایک بڑی جگہ لیکر اس میں مرکز تعمیر کیا گیا ہے۔ ڈیوز بری کے حافظ پٹیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں دعوت کا کام بڑھانے کی بڑی فکر تھی، اور انہی کی کوششوں سے یہ مرکز بنا، اور انہوں نے ہی اسکا سنگ بنیاد رکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خاص رحمتوں سے نوازیں کہ الحمد للہ اسکی عمارت

اب اتنی وسیع بن گئی ہے کہ اس میں اچھا اجتماع ہوسکتا ہے۔ اور الحمد للہ اس مرکز کے سامنے والی سڑک بھی انہی کے نام سے سرکاری طور پر حافظ پٹیل روڈ کہلاتی ہے۔

یہاں جمعہ سے پہلے میرا بیان ہوا۔ بارہ سال پہلے کسی دینی بیان میں اتنے اجتماع کا تصور مشکل تھا۔ لیکن آج بفضلہ تعالیٰ ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا جس میں عام البانوی مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ میں نے اپنے بیان میں البانی حضرات سے کہا کہ انہوں نے اسلام کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں، انکی وجہ سے انہیں ایمان کی وہ حلاوت نصیب ہے، جو ہم جیسوں کے لئے قابل رشک ہے جنہیں ایمان بیٹھے بٹھائے مل گیا۔ پھر میں نے عام مسلمانوں کو تبلیغی جماعت سے وابستہ رہنے اور اپنے بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے پر زور دیا، بیان کا ساتھ ساتھ البانوی زبان میں ترجمہ مولانا رجب صاحب نے کیا جو اسکوپیا سے آخر تک سفر میں ہمارے ساتھ رہے۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اور مفتی شبیر صاحب مدظلہما نے الگ الگ دو دوسری مسجدوں میں بیان فرمایا۔

اسی دن شام چار بجے سے تبلیغی مرکز میں ایک اور بڑا اجتماع تھا جس سے مذکورہ دو بزرگوں نے خطاب فرمایا، اور مغرب سے عشاء تک خطاب میرا رکھا گیا تھا، چنانچہ میں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بیان کیا جس میں دعوت دین کے بنیادی اصول تفصیل کے ساتھ ذکر کئے، اور اس بات پر زور دیا کہ اس ملک میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں یا تنظیمیں قائم ہیں، انکے درمیان باہمی تعاون اور ربط کی ضرورت ہے جس میں فروعی یا تنظیمی اختلافات رکاوٹ نہیں بننے چاہییں۔ جو شخص بھی کسی دوسرے شخص کو جس طرح بھی دین سے قریب لا رہا ہے، ہر ایک کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اسکا اپنا کام کر رہا ہے، اور اسکی قدر پہچاننی چاہئے۔ الحمد للہ اس کا اچھا اثر محسوس ہوا۔

اسی شام مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے تحت خواتین کا ایک اجتماع رکھا گیا تھا جس میں بہت سی معلمات بھی موجود تھیں، اور شہر کی دوسری خواتین بھی۔ اس اجتماع کے بارے میں مولانا حنیف صاحب نے مجھے پہلے سے بتایا ہوا تھا کہ اس سے میری اہلیہ کو خطاب کرنا ہے۔ چنانچہ وہاں میری اہلیہ نے خطاب کیا جسکا البانی ترجمہ ایک مقامی خاتون نے البانی زبان میں کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ الحمد للہ اس خطاب کا بھی خواتین نے بہت اچھا اثر لیا، اور بعد میں میری اہلیہ سے رابطہ بھی کرتی رہیں۔

اگلے دن مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ترانا کے مرکزی علاقے میں ترانا انٹرنیشنل ہوٹل میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا تھا جس میں البانیا کے مشیخہ اسلامیہ کے رئیس اور مختلف شہروں کے مفتی حضرات اور عرب ملکوں

کے سفارتی نمائندوں کو جمع کیا گیا تھا۔ مشیخہ اسلامیہ کے رئیس بذات خود کسی سفر کی وجہ سے نہ آسکے، لیکن اپنے نائب رئیس کو بھیجا۔ البانیہ میں غالباً صدیوں سے یہ نظام چلا آتا ہے کہ مشیخہ اسلامیہ ایک پرائیویٹ تنظیم ہوتی ہے جسکے عہدہ داروں کا تقرر حکومت نہیں کرتی، بلکہ خود علماء کرتے ہیں، اور اسکی آمدنی بھی عوامی چندوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہی ادارہ مختلف شہروں میں مفتیوں کا تقرر کرتا ہے۔ ان علاقوں میں مشیخہ اور اسکے مقرر کردہ مفتی حضرات وہی فرائض انجام دیتے ہیں جو عام طور پر وزارت مذہبی امور انجام دیا کرتی ہے۔ اور حکومت اس ادارے کو اسی حیثیت میں تسلیم بھی کرتی ہے۔ ملک پر جو حالات گذرے ہیں، انکی وجہ سے ان حضرات کی علمی حیثیت عموماً کمزور ہوتی ہے، لیکن جو کام وہ کرتے ہیں، انہیں غیر جانبدار علماء کی تنقید کے باوجود گئے گذرے حالات میں غنیمت ہی سمجھنا چاہیے۔

کانفرنس کا آغاز تلاوت قرآن کریم کے بعد مشیخہ کے نائب رئیس کی تقریر سے ہوا جسکا انگریزی ترجمہ ساتھ ساتھ کیا گیا۔ انہوں نے زیادہ تر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان پُر امن بقائے باہمی پر بات کی، اور دہشت گرد گروپ اسلام کی جو غلط نمائندگی کررہے ہیں، انکی تردید پر زور دیا۔ انکے بعد البانیہ کے ایک سابق مفتی مصطفیٰ نے بڑی پُر اثر تقریر کرتے ہوئے بڑے پُر درد انداز میں کمیونزم دور کے واقعات سُنائے کہ کس طرح مسجدوں کو شہید کیا گیا، نماز روزے پر پابندیاں لگائی گئیں، اور جس شخص کے گھر میں کوئی دینی کتاب پائی جاتی، اسے کس درندگی کے ساتھ سزائیں دی جاتی تھیں۔ انہوں نے خود اپنے بارے میں بتایا کہ انہوں نے اپنی دینی کتابیں اپنے گھر کے صحن میں گڑھا کھود کر اس میں دفن کی تھیں۔ انکی اثر انگیز تقریر کا انگریزی ترجمہ مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے ایک ذمہ دار نے کیا، اور حاضرین پر اسکا بڑا اثر ہوا۔ اسکے بعد حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب مدظلہم کو یہ فریضہ سونپا گیا تھا کہ وہ بتائیں کہ انگلینڈ میں مسلمانوں نے اپنی نسلوں کی حفاظت کے کس طرح انتظامات کئے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں اپنے تجربات کی روشنی میں دو پیغام دیئے۔ ایک ایمان کی حفاظت اور نئی نسلوں کے تحفظ کے لئے تعلیم وتربیت کا مناسب انتظام، اور دوسرے باہمی تعاون کے ساتھ یہاں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش۔ انہوں نے سابق مفتی صاحب کی تقریر کے بارے میں کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں انکی پیشانی اور ہاتھوں کو بوسہ دوں، اور ان سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ کتابیں جو زمین میں دفن کر کے محفوظ کی گئیں، انکو ایک میوزیم میں یادگار کے طور پر رکھا جائے۔

جنوبی افریقہ سے مولانا ابراہیم منکیر اصاحب بھی کانفرنس میں مدعو تھے، اور انہوں نے بتایا کہ جنوبی افریقہ میں مسلم اقلیت کے دینی تحفظ کے لئے کس طرح اقدامات کئے گئے، اور انہیں کیا کامیابی نصیب ہوئی۔ اسکے بعد پروگرام کے مطابق حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم کو خطاب کرنا تھا جو اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ اور میری بڑی خواہش تھی کہ میں انکا بیان سنوں، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے حضرت مدظلہم نے مجھے حکم دیا کہ میرے حصے کا وقت بھی تم لے لو، اور کھل کر ضروری باتیں کرلو۔ رفقاء نے یہ بھی مشورہ دیا کہ میرا خطاب عربی میں ہو، تاکہ کم از کم مشیخہ اور مفتی حضرات، نیز عرب ملکوں کے نمائندے تمہاری بات کسی مترجم کے واسطے کے بغیر سُن سکیں۔ چنانچہ میں نے عربی میں خطاب کیا، اور مسجد دینا ہوسگا (Dina Hoxha) کے امام شیخ احمد کلایا نے جو مدینہ یونی ورسٹی کے فاضل اور ملک کے مقبول ترین علماء میں سے ہیں، البانی زبان میں اسکا ترجمہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ یوں تو الحمدللہ بچپن ہی سے تمام مسلمانوں کی محبت دل میں پیوست ہے، لیکن جو ممالک ستر سال سے زیادہ کمیونزم کے تسلط میں رہے، انکے مسلمانوں سے سب سے زیادہ محبت ہے، کیونکہ انہوں نے ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود جس غیرت وحمیت کے ساتھ اپنے دین کا تحفظ کیا، اسکی وجہ سے انہیں ایمان کی جو قدر و قیمت اور اسکی جو حلاوت انہیں نصیب ہوئی، ہم اسکا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ انہی کی جدو جہد سے بفضلہ تعالیٰ اب انہیں آزادی نصیب ہوئی، اور اسکے بعد انہوں نے جس طرح نئی مسجدیں تعمیر کیں، اور ادارے بنائے، اس پر مبارکباد دینے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اور حضرت مفتی شبیر صاحب کی تجویز پر میں پہلے ہی سابق مفتی صاحب کی پیشانی چومنے کا شرف حاصل کرچکا ہوں۔ میں بارہ سال پہلے یہاں آیا تھا، تو اس وقت حالات بڑے افسوسناک تھے، لیکن بارہ سال بعد یہاں کا دورہ کرتے ہوئے الحمدللہ نمایاں تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں۔ ان تبدیلیوں میں مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کا بھی قابل قدر حصہ ہے۔ لیکن اب یہاں کے علماء اور اہل دین کو ایک دوسرے بڑے چیلنج کا سامنا ہے، اور وہ یہ کہ ستر سال میں الحمدللہ آپ اپنے ایمان کے تحفظ میں کامیاب ہوئے، لیکن کمیونسٹ استعمار کی تاریک رات نے اپنے بہت سے بُرے اثرات نئی نسلوں پر چھوڑ دئے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھرپور توجہ دی جائے، اور انہیں اسلامی احکام اور اسلامی ثقافت سے روشناس کرایا جائے۔ الحمدللہ مسجدیں بن رہی ہیں، اور ان میں مکاتب بھی قائم ہورہے ہیں۔ اب انہیں آباد کرنے کی ضرورت ہے، اور اس عظیم کام کے لئے جو خدمت بھی ہمارے لائق ہو، ہم اسکے لئے حاضر ہیں، اور مسلم ویلفیر

انسٹی ٹیوٹ اسکے لئے عملی طور پر سرگرم ہے، اسکے ذریعے ہم بھی کوئی خدمت انجام دینے کو اپنی سعادت سمجھیں گے۔

کانفرنس کا اختتام ظہرانے پر ہوا، اور اس میں بہت سے معززین سے مفید گفتگو کا موقع ملا۔

اس کانفرنس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ نے البانی بیواؤں اور یتیموں کا ایک اجتماع دوسری جگہ منعقد کیا ہوا تھا، اصل میں تو یہ ان بیواؤں اور یتیموں کا اجتماع تھا جنکی سرپرستی یہ تنظیم کر رہی ہے، لیکن اس میں دوسری خواتین اور بچیاں بھی شریک ہوئیں، اور انہوں نے عربی تلاوت اور البانی نظمیں پیش کیں، اور آخر میں میری اہلیہ نے ان سے خطاب کیا جس کا ترجمہ بھی پچھلے دن کی طرح البانی خاتون نے کیا۔

اس کے بعد اصل پروگرام یہ تھا کہ ہم یہاں سے دِرّوس شہر جا کر وہاں ایک مسجد میں نماز مغرب ادا کریں، اور وہاں بھی کچھ بیانات ہو جائیں۔ لیکن وہ شیخ احمد کالایا صاحب جنہوں نے میری تقریر کا عربی سے ترجمہ کیا تھا، انکا اصرار ہوا کہ آج شام میں انکی مسجد میں حاضر ہو کر وہاں کے لوگوں سے خطاب کروں۔ مولانا حنیف صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ مسجد سلفی حضرات کی مسجد ہے، اور یہ زیادہ مفید ہوگا کہ آپ کا خطاب وہاں ہو، اور آپ جو دعوت تبلیغی مرکز میں دیکر آئے ہیں کہ یہاں سلفی اور غیر سلفی کے اختلافات کو نہ چھیڑا جائے، اس بات کو وہاں بھی پہنچانے کی ضرورت ہے، اور یہ ایک اچھی بات ہے کہ انہوں نے آپ کو خود دعوت دی ہے، اس لئے آپ کا وہاں جانا انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ جہاں تک دِرّوس کا تعلق ہے، وہاں ہم حضرت مفتی احمد خانپوری اور مفتی شبیر صاحب کو پہلے لے جائیں گے، اور ان سے مستفید ہونگے، آپ مغرب کے بعد وہاں خطاب کر کے دِرّوس پہنچ جائیں۔ چنانچہ یہ حضرات دِرّوس کے لئے روانہ ہو گئے، اور میں مغرب سے پہلے دینا ہوگسا کی مسجد میں پہنچ گیا ۔یہ مسجد ترانا شہر کے بالکل وسط میں واقع ہے۔ شیخ احمد کالایا صاحب اور انکے کچھ رفقاء پہلے سے انتظار میں کھڑے تھے۔ مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے۔ انہوں نے اس دوران مسجد اور اسکی کارکردگی کا تعارف کرایا۔ مسجد کے دروازے پر ایک چھوٹا سا اسٹال لگا ہوا تھا جس پر البانی زبان میں چھوٹے چھوٹے کتابچے رکھے تھے جو دلچسپ انداز میں اسلام اور اسکے مبادی اور انبیاء اور صحابہ کے واقعات پر مشتمل تھے۔ امام صاحب نے بتایا کہ مسجد کے سامنے ایک چلتا ہوا بارونق اور ماڈرن بازار ہے۔ بعض لوگ چلتے چلتے اچانک مسجد دیکھنے کے لئے رُک جاتے ہیں۔ یہ کتابچے انہیں دیدیئے جاتے ہیں، اور انکی وجہ سے نوجوانوں کو مسجد میں آنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ مسجد میں الحمد للہ دین کی ہلکی پھلکی باتیں بھی سکھائی جاتی ہیں، اس لئے بفضلہٖ تعالیٰ نوجوانوں میں مسجد آنے کا

رجحان بڑھتا جارہا ہے۔

امام صاحب نے اصرار کیا کہ مغرب کی نماز میں پڑھاؤں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مغرب کے بعد انہوں نے البانی زبان میں میرا مختصر تعارف کرایا، پھر مجھے عربی میں خطاب کرنے کی دعوت دی۔ اگرچہ یہ خطاب بہت مختصر نوٹس پر ہوا تھا، لیکن مجمع یہاں کے لحاظ سے کافی بڑا تھا، اور بڑی توجہ سے سُننے کے لئے بیٹھا تھا۔ امام صاحب کا کہنا تھا کہ انہیں اور انکے رفقاء کو حدیث کی اجازت بھی دوں، اس لئے میں نے اپنے خطاب کا آغاز حدیث مسلسل بالاولیۃ سے کیا۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث:

الراحمون یرحمھم الرحمن تبارک وتعالی ۔ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء

یعنی : رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والاتم پر رحم کرے گا۔

پھر میں نے اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے عرض کیا کہ محدثین نے اپنے شاگردوں کو حدیث کی تعلیم دینے کے لئے سب سے پہلے اس حدیث کو منتخب فرمایا جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے طالب علم کو سب سے پہلے رحم کرنے کا درس دینا مقصود ہے، جو اسلام کی ایک بنیادی تعلیم ہے۔ پھر رحم کرنے کے لئے صرف مسلمانوں کا لفظ استعمال نہیں فرمایا گیا، بلکہ تمام "زمین والوں" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں پر رحم کھانے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ البتہ رحم کے عنوانات مختلف ہوتے ہیں۔ غیر مسلموں پر سب سے بڑا رحم یہ ہے کہ انہیں دوزخ کی آگ سے بچایا جائے، اور اگر کوئی پُر امن غیر مسلم کسی مصیبت یا تکلیف میں ہو، تو اسکا ازالہ کیا جائے۔ غیر مسلموں کی ذات سے نفرت نہیں، بلکہ انکے کفر سے نفرت ہونی چاہئے جیسے ایک بیمار سے نہیں، اسکی بیماری سے نفرت کی جاتی ہے، اور اسکا علاج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دعوت وتبلیغ اسی قسم کے رحم کھانے کا ایک طریقہ ہے جسے پیغمبرانہ اسلوب میں انجام دینا چاہئے۔ اسی بات کو مختلف مثالوں سے واضح کرنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ آج ہمارا حال یہ ہوگیا ہے کہ غیر مسلم تو درکنار، ہم اپنے سے کوئی فروعی اختلاف رکھنے والوں کو بھی اجنبی سمجھتے اور اُسے بُرا بھلا کہنے میں مصروف رہتے ہیں، جو شخص حنفی ہے، وہ سلفیوں سے اور جو سلفی ہے، وہ حنفیوں سے نہ صرف مغایرت برتتا ہے، بلکہ بعض اوقات اُسے مطلقاً گمراہ بلکہ کافر اور مشرک قرار دینے سے بھی نہیں چوکتا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں مسلمانوں پر کمیونزم کی انتہائی پُر تشدد اندھیری

رات گذری ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ یہ رات گذر گئی، اور مسلمانوں نے کم از کم نام اور عقیدے کی حد تک اپنا ایمان محفوظ رکھا۔ لیکن اس تاریک رات میں جو نسلیں پروان چڑھی ہیں، وہ دین کے مبادی تک سے بے خبر ہیں۔ الحمد للہ آپ حضرات کی کوششوں سے اب صورت حال میں خاصی تبدیلی آ رہی ہے، لیکن اگر ایسے موقع پر حنفی، سلفی کے جھگڑے کھڑے کئے گئے، تو خطرہ ہے کہ نوجوان اصل دین ہی سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ ہمارے درمیان بیشک فروعی اختلافات موجود ہیں، لیکن ان باتوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے، جن پر ہم متفق ہیں۔ اپنے اپنے دائروں میں بیشک اپنے طریقوں پر عمل کریں، لیکن کسی دوسرے کے طریقے پر طعن و تشنیع سے باز رہیں۔

اجتہادی امور میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی، اس لئے ان پر نکیر بھی جائز نہیں۔ نیز نوجوان جس کسی کی کوشش سے اسلامی زندگی کی طرف آ جائے، اُسے غنیمت سمجھیں، اور اپنی کوششوں کو دین کے مبادی پر مرکوز رکھیں۔ امام صاحب ساتھ ساتھ میرے بیان کا البانی ترجمہ کر رہے تھے، اور پورا مجمع ہمہ تن گوش تھا، یہاں تک کہ عشاء کا وقت ہو گیا۔

اس موضوع کی میری نظر میں اہمیت اس لئے تھی کہ بلقانی ریاستوں میں مسلمان حنفی ہیں، لیکن جو لوگ سعودی یونی ورسٹیوں میں پڑھکر لوٹے ہیں، بفضلہ تعالیٰ وہ کام تو اچھا کر رہے ہیں، لیکن بعض جوشیلے نوجوان سلفیت کے جوش میں غیر ضروری مسائل چھیڑ کر بحث ومباحثہ کی فضا پیدا کر دیتے ہیں۔ انکے مقابلے میں حنفی علماء ان کی تردید کرتے ہیں، اس طرح یہاں کے عام مسلمان جو دین کے مبادی سے نا آشنا ہیں، وہ دین کے بارے میں سخت کشمکش کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ میری یہ کمزور مگر دردمندانہ آواز کوئی اثر پیدا کر سکے۔ امام صاحب بذات خود سعودی عرب سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے، لیکن انہوں نے میری عاجزانہ گذارشات کی تائید کی، اور بتایا کہ الحمد للہ ہم اسی نہج پر کام کی کوشش کر رہے ہیں، آپ کی باتیں بالکل درست ہیں، اور ہم سب کو اسی طرح مل کر کام کرنا چاہئے۔

تمام حاضرین بہت محبت سے ملے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بیان کا بہت اچھا اثر نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ بیان انٹرنیٹ پر براہ راست نشر ہو رہا تھا، اس لئے الحمد للہ بڑے پیمانے پر سنا گیا، اور لوگوں نے بتایا کہ اس پر مثبت تبصرے ریکارڈ کئے گئے۔

نماز مغرب یہاں ساڑھے آٹھ بجے اور عشاء ساڑھے دس بجے ہو رہی تھی۔ اِس لئے ہم مسجد سے گیارہ بجے

کے بعد نکلے۔ یہاں سے ہمیں دڑوس جانا تھا جہاں ہمارے بہت سے رفقاء پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ رات ہمیں وہیں گذارنی تھی۔ دڑوس بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے ایک شہر ہے جسکے بارے میں بتایا یہ گیا تھا کہ ترانا شہر سے ۴۵ منٹ کے فاصلے پر واقع ہے، لیکن چند در چند غلط فہمیوں کی بنا پر ہمارا راستہ بہت طویل ہوگیا، اور ہم جب دڑوس کے ہوٹل پہنچے تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ ہمارے ساتھیوں نے کچھ کھانا ہمارے لئے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ غرض بستر پر جاتے جاتے دو بج گئے۔

میرے لحاظ سے دڑوس آنے کا مقصد صرف یہاں رات گذارنا تھا، کیونکہ یہاں حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب مدظلہم خطاب کر چکے تھے، اور مجھے مغرب کے بعد ترانا ہی کی مسجد میں بیان کرنا تھا۔ اگلی صبح ہمیں دراصل بوسنیا جانا تھا، لیکن یہاں سے بوسنیا کے قریب ترین شہر کا فاصلہ کم سے کم بارہ گھنٹے کا تھا، اور مولانا حنیف صاحب کو معلوم تھا کہ سڑک کے راستے میرے لئے اتنا لمبا سفر نا قابل تحمل ہے۔ اس لئے انہوں نے درمیان میں مونٹی نیگرو کے ایک شہر اُلسن میں ہمارے رفقاء کے لئے بکنگ کرائی ہوئی تھی، تاکہ ایک رات بیچ میں آرام کی مل جائے۔ البتہ حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب مدظلہم کو کل صبح ہی بوسنیا سے انڈیا روانہ ہونا تھا، اس لئے انہوں نے مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقاء کے ساتھ بارہ گھنٹے مسلسل سفر کی مشقت گوارا فرمالی، اور وہ ہم سے پہلے بوسنیا کے لئے روانہ ہوگئے۔ اور ہم رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے صبح روانگی کے لئے تیار ہوئے۔ دِرُّس شہر میں نے اپنے پہلے دورۂ البانیا میں دیکھا تھا۔ یہ بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل پر واقع ہے، اور صبح کے وقت ہوٹل سے اس کا منظر بڑا دلفریب تھا۔ یہاں سے ہم روانہ ہوئے تو تقریباً دو ڈھائی گھنٹے البانیہ ہی میں چلتے رہے البانیہ کا آخری شہر شکودرہ تھا جس میں میں پہلے بھی جا چکا ہوں۔ یہ بڑے بڑے علماء کا شہر رہا ہے، اور شیخ ناصرالدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ اس شہر کے باہر باہر گذرتے ہوئے ہم دو بجے مونٹی نیگرو کی سرحد پر پہنچ گئے۔

مونٹی نیگرو کے معنی ہیں "سیاہ پہاڑ" اسی لئے اسکا عربی نام "الجبل الاسود" ہے، اور اس کے پہاڑوں کو دیکھ کر یہ نام بالکل درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یہاں کے پہاڑ اگرچہ نہایت سرسبز اور بہت خوش منظر ہیں، لیکن ان کی تہہ میں پہاڑوں کی سیاہی محسوس کی جاسکتی ہے۔ مونٹی نیگرو 13810 کیلومیٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سے تقریباً تین گھنٹے کا سفر اس طرح طے ہوا کہ ہمارے دائیں طرف اونچے اونچے سرسبز و

شاداب پہاڑ تھے، جو قدرتی طور پر انجیر، زیتون اور خوبانی کے درختوں سے مالا مال نظر آرہے تھے۔ اور بائیں طرف بحر ایڈریاٹک اور اسکے حسین جزیرے تھے۔ ایڈریاٹک کے دوسری طرف اٹلی کا علاقہ تھا۔ موسم بھی بہت خوشگوار ٹھنڈا تھا، اور پورے سفر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور صناعی کے کرشموں سے آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ بھائی جان مرحوم کا شعر یاد آیا:

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئینہ خانے میں تُو یکتا ہی رہے گا

مونٹی نیگرو کا دارالحکومت پوڈ گوریکا (Podgorica) ہے، لیکن بوسنیا جاتے ہوئے وہ راستے میں نہیں پڑتا۔ اس لئے ہم اسکے ایک اور شہر اُلسنج (Ulcinj) جانا تھا جو بوسنیا سے نسبۃً قریب تھا۔ وہاں ایک ہوٹل میں عصر کے بعد قیام کیا۔ نزدیک ہی ایک مسلمانوں کا ریسٹورنٹ تھا، اور معلوم ہوا کہ یہاں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں، اور یہاں بھی حلال کھانا آسانی سے میسر آجاتا ہے۔ رات ہم نے یہاں گذاری، اور اگلی صبح ہم دس بجے کے بعد یہاں سے بوسنیا کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہ پورا راستہ بحر ایڈریاٹک کے کنارے کنارے اتنا حسین راستہ تھا کہ نگاہیں اس سے ہٹتی نہیں تھیں۔ سمندر، پہاڑ اور اس پر آسمان کو چھوتے ہوئے قدرتی درخت بوسنیا کی سرحد تک دعوت نظارہ دیتے رہے۔ پونے دو بجے کے قریب ہم بوسنیا کی سرحد پر پہنچے۔ یہاں ایڈریاٹک ہم سے جدا ہوگیا، اور سرسبز میدانی اور پہاڑی علاقے شروع ہوگئے جنکے بیچ میں بہتی ہوئی ندیاں اور جھیلیں بار بار نظروں کو تازگی بخشتی تھیں۔

جاری ہے........

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

چند بڑے گناہ

امانت میں خیانت کرنا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے امانت کا پاس رکھنے کا حکم دیا ہے اور امانت میں خیانت کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی مذمت بیان فرمائی ہے، امانت میں خیانت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے، بلکہ حدیث شریف میں اس کو منافق کی نشانی فرمایا ہے کہ گویا امانت میں خیانت کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاؤں میں خیانت سے پناہ مانگی ہے۔ ذیل میں امانت کی اہمیت اور خیانت کی مذمت سے متعلق چند آیات اور احادیث طیبہ ملاحظہ ہوں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (النساء: ۵۸)

(مسلمانو!) یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تعالیٰ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۱/۲۷۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال: ۲۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۱/۵۳۱)

سورۂ مومنون میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المؤمنون: ۸)

ترجمہ: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

اور امانت میں خیانت کرنے والوں کی مذمت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (الحج : ۳۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ (الانفال:۵۸)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

امانت کی اہمیت اور خیانت کی مذمت سے متعلق چند احادیثِ طیبہ

متعدد احادیث میں امانت کی اہمیت اور خیانت کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ذیل میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

حدیث نمبر ۱

عن انس بن مالک قال : ماخطبنا نبی الله صلی الله علیه وسلم الا قال : "لا ایمان لمن لا امانة له ، ولادین لمن لا عهد له " (مسند أحمد . ۱۹ / ۳۷۶)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کوئی خطبہ ایسا نہیں دیا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہ ہو، اور اس شخص کا دین نہیں جس میں وعدہ کی پاسداری نہ ہو۔

حدیث نمبر ۲

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال آیة المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد أخلف واذا اؤتمن خان (صحیح البخاری . ۳۳)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: (بعض روایات میں ہے کہ اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے کو مسلمان سمجھے) (۱)۔۔۔جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲)۔۔۔جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (۳)۔۔۔جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حدیث نمبر ۳

عن عبدالله بن عمرو أن النبی صلی الله علیه وسلم قال أربع من کن فیه کان منافقا خالصا ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها اذا اؤتمن خان واذا حدث کذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر(صحیح البخاری ۱ / ۲۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا، اور جس شخص میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہو اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ (۱)۔۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (۲)۔۔۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔(۳)۔۔۔ جب عہد کرے تو دھوکہ نہ دے (۴)۔۔ جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔

حدیث نمبر ۴

وعنه (أی عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما) أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال :" أربع اذا کن فیک فلاعلیک مافاتک من الدنیا : حفظ أمانة وصدق حدیث وحسن خلیقة وعفة فی طعمة " .رواه أحمد والبیهقی فی "شعب الایمان "(مشکاة المصابیح . ۳/ ۱۳۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو تجھے اس بات کا کوئی ضرر نہیں کہ دنیا کی باقی چیزیں تیرے پاس نہیں ہیں (۱)۔۔ امانت کی حفاظت (۲)۔۔۔ بات کی سچائی (۳)۔۔۔اخلاق کی خوبی (۴)۔۔۔لقمے کی پاکیزگی۔

حدیث نمبر ۵

وعن عبادة بن الصامت أن النبی صلی الله علیه وسلم قال : اضمنوا لی ستا من أنفسکم أضمن لکم الجنة :" اصدقوا اذا حدثتم وأوفوا اذا وعدتم وأودوا اذا ائتمنتم واحفظوا فروجکم وغضوا أبصارکم وکفوا أیدیکم

"(مشكاة المصابيح . ۳/ ۱۳۲)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنی طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔(۱)۔۔جب بات کرو تو سچ بولو(۲)۔۔۔جب وعدہ کرو تو پورا کرو(۳)۔۔۔جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرو(۴)۔۔۔اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو(۵)۔۔۔اپنی نظروں کو نیچے رکھو (یعنی جہاں نظر ڈالنا شرعاً ممنوع ہے وہاں نظر نہ ڈالو)۔(۶)۔۔۔اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (یعنی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرو)۔

حدیث نمبر ۶

عن ابی هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول "اللهم انى اعوذبک من الجوع فانه بئس الضجيع واعوذبک من الخيانة فانها بئست البطانة"(سنن ابی داود . ۱/ ۵۶۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بھوک سے، کیونکہ بھوک بُری ساتھی ہے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں خیانت سے، کیونکہ خیانت بُری اندرونی خصلت ہے۔"

حدیث نمبر ۷

عن عمران بن حصين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "خير أمتى القرن الذين بعثت فيهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ". والله أعلم أذكر الثالث أم لا .. ثم يظهر قوم يشهدون ولايستشهدون وينذرون ولايوفون ويخونون ولايؤتمنون ويفشوفيهم السمن .(سنن ابی داود . ۴/ ۳۴۶)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں، پھر وہ لوگ سب سے بہتر ہوں گے جو ان کے بعد ہوں گے، (راوی کو تردد ہے کہ تیسرے زمانے کا ذکر کیا یا نہیں؟) پھر ان کے بعد ایسے لوگ آجائیں گے جو گواہی دیں گے اور ان سے گواہی طلب نہ کی جائے گی اور نذر مانیں گے اور نذر پوری نہ کریں گے اور یہ لوگ خیانت

کریں گے، حالانکہ ان کے پاس امانت نہ رکھی جائے گی اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوجائے گا۔

مذکورہ بالا تمام آیات واحادیث سے امانت کی اہمیت اور امانت میں خیانت کرنے کی مذمت معلوم ہوتی ہے، اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت کو امانت میں خیانت کرنے سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔

ہمارے معاشرے میں رائج خیانت کی چند صورتیں

ہمارے ذہنوں میں امانت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ کسی کے پاس پیسے یا کوئی چیز رکھوادی جائے اور وہ اس کی حفاظت کرے، بس اسی کو امانت سمجھا جاتا ہے، بیشک یہ بھی امانت کا ایک حصہ ہے، لیکن شرعی لحاظ سے امانت صرف اسی حد تک محدود نہیں، بلکہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے، اور اس میں ایسی ایسی صورتیں داخل ہیں جنہیں ہم عام طور پر امانت نہیں سمجھتے اور نہ ہی "امانت" جیسا سلوک کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ کہ خیانت کے گناہ میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور ہمیں اس کے گناہ ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے ذیل میں ایسی چند صورتیں لکھی جاتی ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر ہمارے دلوں میں خیانت سے بچنے کی فکر پیدا ہو۔

زندگی اور اعضاء وجوارح کو ناجائز کاموں میں استعمال کرنا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو زندگی عطا فرمائی ہے وہ انسان کے پاس امانت ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو اعضاء وجوارح عطا فرمائے ہیں وہ بھی انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، انسان ان کا مالک نہیں کہ جس طرح چاہے استعمال کرے، بلکہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں استعمال کے لئے عطا فرمائی ہیں، لہٰذا اس امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان اعضاء کو اور اپنے اس وجود کو اور اپنی زندگی کو انہیں کاموں میں صَرف کریں جن میں صرف کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں استعمال کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ مثلاً آنکھ کو نامحرم یا ناجائز چیزوں کو دیکھنے میں استعمال کیا جائے، یا کان سے گانے اور غلط باتیں سنی جائیں، زبان کو جھوٹ بولنے یا غیبت کرنے میں یا مسلمان کی دل آزاری اور تکلیف پہنچانے میں استعمال کیا جائے تو یہ سب امانت میں خیانت ہے۔

عاریت کی چیز واپس نہ دینا

بعض اوقات کسی عارضی اور وقتی ضرورت کے پیشِ نظر کسی سے استعمال کے لئے کوئی چیز لے لی جاتی ہے، مثلاً کسی سے پڑھنے کے لئے کتاب لے لی کہ پڑھ کر واپس کردوں گا، یہ معاملہ فقہی لحاظ سے "عاریت" کہلاتا ہے، اور عاریت کے طور پر لی گئی یہ کتاب، عاریت لینے والے کے پاس امانت ہے۔ امانت ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے مالک نے دی ہے صرف اُسی مقصد میں استعمال کی جائے، مالک کی مرضی کے خلاف

استعمال نہ کیا جائے اور جیسے ہی ضرورت پوری ہو جائے تو اصل مالک کو جلد واپس پہنچانے کی فکر کی جائے۔ لیکن عام طور پر اس سے بھی غفلت برتی جاتی ہے، اور کتابیں لینے کے بعد ضرورت پوری ہونے کے باوجود واپس دینے کی فکر نہیں کی جاتی، حالانکہ یہ غلط طریقہ ہے، جس سے بچنا چاہئے۔

دوسرے کے کھانے کے برتن اپنے استعمال میں لانا

ہمارے ہاں رواج ہے کہ لوگ اپنے برتنوں میں کھانا رکھ کر پڑوسیوں کے گھر کھانا بھجواتے ہیں، اب ظاہر ہے کہ اس نے کھانا ہدیہ کے طور پر دیا ہے، لیکن برتن تو ہدیہ میں نہیں دیئے، بلکہ وہ تو بھیجنے والے کی امانت ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ برتن جس قدر جلدی ہو سکے واپس کر دیئے جائیں، مگر اس سے غفلت برتی جاتی ہے اور وہ برتن گھر میں پڑے رہ جاتے ہیں جس کے واپس پہنچانے کی فکر ہی نہیں ہوتی، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض اوقات ان برتنوں کو مالک کی اجازت کے بغیر خود اپنے استعمال میں لانا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان برتنوں کو استعمال کرنا اور واپس پہنچانے کی فکر نہ کرنا امانت میں خیانت ہے۔

ملازمت کے اوقات کا غلط استعمال کرنا

اسی طرح ملازم جس نے اپنے مالک یا ادارہ/ کمپنی سے چند گھنٹے ڈیوٹی کرنے کا معاہدہ کر لیا تو گویا اب یہ گھنٹے ملازم نے فروخت کر دیئے اور اس کے عوض تنخواہ لے رہا ہے، لہٰذا یہ وقت ملازم کے پاس مالک کی امانت ہے، اور اسے صرف اُنہی کاموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے جن میں استعمال کرنے کی مالک نے اجازت دی ہے، مالک کی مرضی کے خلاف اپنے ذاتی کاموں میں وقت صَرف کرنا اور پورے وقت کی تنخواہ لینا جائز نہیں، یہ امانت میں خیانت ہے۔

میراث کا مال کسی ایک وارث کے قبضہ میں رہنا

جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کا ترکہ ورثاء میں فوراً تقسیم نہیں کیا جاتا، بلکہ یا تو جس وارث کے پاس مرحوم کا جو مال ہے وہ اسی پر اپنا قبضہ رکھتا ہے، یا کوئی ایک یا چند وارث پورا ترکہ اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرتے رہتے ہیں، حالانکہ شرعاً اس کا جتنا حصہ بنتا ہے اس سے زیادہ مال دوسرے وارثوں کی امانت ہے جو ان تک پہنچانا ضروری ہے، اور ان کی اجازت کے بغیر اس کو استعمال کرنا خیانت ہے۔ اور یہ معاملہ اس وقت اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب ورثاء میں نابالغ بچے بھی ہوں، کیونکہ نابالغ اگر استعمال کی اجازت دیدے تب بھی شرعاً اس کی اجازت معتبر نہیں۔

بیوی کا شوہر کے مال میں خیانت کرنا

بیوی کے لئے جس طرح اپنی جان اور شوہر کی عزت کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح شوہر کے مال کی بھی حفاظت ضروری ہے، کیونکہ شوہر کا مال اس کے پاس امانت ہے، اور بیوی کے لئے اس مال کو شوہر کی مرضی کے خلاف کسی کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بلکہ جس کام میں جس قدر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے اسی کے مطابق خرچ کرے۔

سستا مال خرید کر زیادہ کا بل بنوانا

بعض لوگ کمپنیوں اور اداروں کی طرف سے خریداری کے لئے مقرر ہوتے ہیں، اداروں اور کمپنیوں کے مالکان انہیں چیزیں خریدنے کے لئے بھیجتے ہیں، وہ سستا مال خرید کر مثلاً نو سو روپے کی چیز خرید کر ہزار روپے کا بل بنوا لیتے ہیں، سو روپیہ اپنے لئے خفیہ کمیشن رکھتے ہیں، حالانکہ وہ اسی کام کی تنخواہ بھی لیتے ہیں۔ یہ بھی مالکان کے ساتھ خیانت ہے جو ناجائز ہے۔

ملازم کا اپنے جاننے والے کو چیز سستی فروخت کرنا

بعض ملازمین اپنے تعلق والے گاہک کو چیز مفت میں دیدیتے ہیں یا اس کی حقیقی قیمت سے کم قیمت پر دیتے ہیں، حالانکہ ملازم ان چیزوں کا مالک نہیں ہوتا کہ کسی کو مفت یا سستی دے سکے، بلکہ یہ مال تو ملازم کے پاس مالک کی امانت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بھی خیانت ہے جو ناجائز ہے۔

دفتری اشیاء ذاتی استعمال میں لانا

ملازم کو دفتر میں کام کرنے کے لئے جتنا سامان ملتا ہے وہ سب اس کے پاس امانت ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ سامان صرف دفتری استعمال کے لئے دیا جائے تو ملازم کے لئے اس کو بغیر اجازت ذاتی کاموں میں استعمال کرنا بھی خیانت ہے۔

نجی مجلس کی گفتگو دوسروں تک پہنچانا

دو، چار لوگ مل کر آپس میں کسی مجلس میں کوئی بات کرتے ہیں تو وہ باتیں بھی مجلس کے شرکاء کے پاس امانت ہوتی ہیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "المجالس بالامانة" لہٰذا ان باتوں کو اجازت کے بغیر دوسروں تک پہنچانا بھی خیانت کے اندر داخل ہے۔

یہ سب خیانت کی وہ صورتیں ہیں جو ہمارے معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں، ان سب سے بچنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیانت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

خوشخبری

مکتبۃ الاسلام کراچی کی جانب سے درجۂ اولیٰ (القسم العربی) کے طلبہ کے لئے نحو کے موضوع پر آسان اور عام فہم عربی میں منفرد کتاب پیش کی جا رہی ہے۔

اس کتاب کی خصوصیات

1. اس کتاب میں تمام مسائلِ نحو آسان عربی میں سیدھے سادے اور عام فہم انداز میں پیش کیے گئے ہیں، نیز تمام مسائل ہمارے دینی مدارس میں رائج قدیم کتبِ نحو کی مانوس ترتیب پر مرتب کیے گئے ہیں۔ اور تمام مسائلِ "نحو" مستند قدیم اور جدید اُمہاتِ کتبِ نحو سے ماخوذ ہیں۔
2. اس کتاب کی عمومی زبان عربی رکھی گئی ہے، جبکہ بوقتِ ضرورت بعض مشکل الفاظ، جملوں اور اصطلاحی تعریفات کا خلاصہ اردو میں بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ مبتدی طلبہ اصل مسئلہ کو علی وجہ البصیرہ سمجھ سکیں۔
3. قواعدِ نحویہ کی عصرِ حاضر سے متعلق جدید اور جیتی جاگتی مثالوں کے ذریعہ عملی تطبیق و اجراء پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، چنانچہ متعلقہ بحث کے آخر میں ترکیب کا نمونہ بعنوان "نُمُوْذَج في الإعْرَاب" پیش کیا گیا ہے، جو عربی طرزِ ترکیب اور ہمارے دینی مدارس میں رائج "ترکیبِ زنجیری" کا خوبصورت امتزاج ہے۔
4. نحوی اصطلاحات کی تعریف ہمارے دینی مدارس میں رائج درسی کتبِ نحو کے مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم اگر کہیں تعریف کی تعبیر مشکل محسوس ہوئی تو اس کی تسہیل کر دی گئی ہے۔
5. طلبہ کے لئے عربی میں تکرار و مطالعہ آسان بنانے کے لئے متعلقہ قواعد کی تشریح و تطبیق کے لئے خود ساختہ عربی تعبیرات اختیار کرنے کے بجائے اہلِ زبان کی مستند اور قابلِ اطمینان تعبیرات اختیار کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں اس فن سے متعلق مخصوص ذخیرۂ الفاظ مہیا کیا گیا ہے۔
6. کتاب کی عبارت پر مکمل اعراب لگایا گیا ہے، تاکہ مبتدی طلبہ کے لئے مخصوص فنی الفاظ پر مشتمل عبارت پڑھنے، سمجھنے اور تعریفات یاد کرنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

تالیف

محمد سلمان السکھروي

خادمُ اللسانِ العربيِّ بجامعةِ دارِ العلومِ كراتشي

ناشر

Tel :+922135016664-65
Cell :+923008245793
Email :shahidflour68@gmail.com

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف کراچی
احاطہ جامعہ دار العلوم کراچی

Tel :+92300-2831960
Cell :+922135032020
Email :lmaarif@live.com

مکتبۃ الاعمال محمد (حیدرآباد)
مدرسہ تعلیم القرآن جامع مسجد عاطف
حیدرآباد

Tel :+92-22-3842602
Cell :+92-321-3083503
Email hafizrabri@gmail.com

فاضل مصنف کی دیگر تصانیف

مولانا محمد سلمان سکھروی
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

استفتاء

سَنِ عیسوی کی حقیقت

ایک علمی تحقیق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

سوال نمبر۱ : اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عیسوی سَن ہمارا نہیں ہے اور جنوری سے ہمارا نیا سال شروع نہیں ہوتا، کیا عیسوی سَن عیسائیوں کا ہے؟

سوال نمبر۲: اسلام میں نئے سال (نیوائیر) منانے اور اُس کی مبارک باد دینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا نئے سال کے آغاز پر آنیوالی زندگی کے لئے دعاءِ خیر کرنا اور لوگوں کو کوئی نصیحت پر مبنی بات کہنے کی گنجائش ہے؟ مثلاً یہ کہ ہمیں خوش اس وجہ سے ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ۲۰۱۸ء میں بھی زندگی دی ہے، اور اب ہمیں آخرت کی فکر کرنی چاہئے، اور "الدنیا مزرعة الآخرة" کو ذہن میں رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہئیں، اور افسوس اس وجہ سے ہونا چاہئے کہ ہماری زندگی کا ایک سال مزید گھٹ گیا ہے مگر ہم آخرت کے لئے قابلِ ذکر نیکیاں نہیں کر پائے اور قبر کے مزید قریب ہوگئے۔ اس طرح کی بات لکھنے یا کہنے کی گنجائش ہے؟

مستفتی: عبدالرحیم

الجواب حامداً و مصلیاً

۱۔ صورتِ مسئولہ میں سائل نے تحریر کیا ہے کہ ''اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عیسوی سَن ہمارا نہیں ہے اور جنوری سے ہمارا نیا سال شروع نہیں ہوتا''، اس کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ مروّجہ عیسوی سَن نہ ہمارا ہے اور نہ عیسائیوں کا بلکہ یہ شمسی سال ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ آفتاب کی حرکات سے وابستہ ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے بیان کی جائے گی۔

''مروّجہ عیسوی کیلنڈر کی اصل حقیقت'' بیان کرنے سے پہلے بطورِ تمہید سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں دو قسم کے سَن رائج ہیں، قمری اور شمسی، قمری سال کا تعلق چاند کی زمین کے گرد گردش سے ہے، زمین کے گرد چاند کے بارہ چکروں کی مجموعی مدت ۳۵۴ دن، ۴۸ منٹ، ۳۴ سیکنڈ ہوتی ہے، اسی مجموعی مدت کو قمری سال کہا جاتا ہے، اور یہی قمری سال مسلمانوں کے ہجری کیلنڈر میں شمار ہوتا ہے۔ اور شمسی سال کا تعلق زمین کی سورج کے گرد گردش سے ہے، زمین سورج کے گرد ایک بیضوی دائرہ پر اپنا ایک چکر ۳۶۵ دن، پانچ گھنٹوں، ۴۸ منٹ، اور ۴۶ سیکنڈ میں پورا کرتی ہے، اسی مجموعی مدت کو شمسی سال کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا ہجری سال حضور اکرم جناب رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے، یعنی جس سال آپ نے ہجرت فرمائی تھی اس سال کی پہلی محرم سے ۱ھ ہجری شمار کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سال کی تاریخ یکم محرم موجودہ گریگوری کیلنڈر کے بموجب جمعہ ۱۶ر جولائی ۶۲۲ ش پڑتی ہے، اور یہ ۱ھ کی ابتداء ہے۔ آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کے مقامِ قباء جس دن پہنچے اُس دن دوشنبہ ۸ر ربیع الاول ۱ھ ہجری تھا، جو موجودہ گریگوری کیلنڈر کے حساب سے ۲۰ر ستمبر ۶۲۲ ش پڑتا ہے۔ (ماخذہٗ: تقویمِ تاریخی، مؤلفہٗ: جناب عبد القدوس ہاشمی صاحب)

مروّجہ عیسوی کیلنڈر کی اصل حقیقت

مروّجہ کیلنڈر جس کے مطابق نیا سال ۲۰۱۸ ش شروع ہوا ہے، عرفِ عام میں سمجھا جاتا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے حساب سے وضع کیا گیا ہے، اس لئے اس کو عیسوی یا انگریزی کیلنڈر کہا جاتا ہے۔ اس کیلنڈر کے نقطۂ آغاز سے ماقبل کے زمانہ کو ما قبل المسیح اور مابعد کے زمانہ کو ما بعد المسیح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کیلنڈر کو ''گریگوری کیلنڈر'' (The Gregorian Calendar) بھی کہا جاتا ہے، جو پاپائے گریگوری کی طرف منسوب ہے جو اٹلی کے علاقہ ''Bologna'' میں ۱۵۰۲ ش میں پیدا ہوا اور کیتھولک چرچ کا ۱۵۷۲ ش سے اپنی وفات ۱۵۸۵ ش تک پوپ رہا، اس نے اس کیلنڈر میں

اکتوبر ۱۵۸۲ء ش میں ترمیم کی، اور یہ کیلنڈر یورپ کی فتوحات اور دنیا کے اکثر علاقوں کے یورپی کالونیاں بننے سے پوری دنیا میں پھیل گیا، اور سن ۱۹۰۰ء ش میں ایک طرح سے عمومی (یونیورسل) کیلنڈر بن گیا، جو آج ساری دنیا میں رائج ہے۔

مروّجہ کیلنڈر (عیسوی کیلنڈر) کے بارے میں درج ذیل امور قابلِ تحقیق ہیں:

(۱)...... کیا مروّجہ عیسوی کیلنڈر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کے حساب سے وضع کیا گیا تھا؟

(۲)...... کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخِ ولادت معلوم ہے؟

(۳)...... کیا مذکورہ ہندسے اس بات کی درست نشاندہی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو دو ہزار اٹھارہ/۲۰۱۸ سال گذر چکے ہیں؟

(۴)...... مروّجہ عیسوی کیلنڈر کی اصل حقیقت کیا ہے؟

مذکورہ بالا امُور کے متعلق قدرے تفصیل درجِ ذیل ہے:

محققین کے نزدیک مذکورہ کیلنڈر کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے کوئی تعلق مستند اور صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ خود عیسائی مؤرخین و مصنفین اس بات کا کھل کر اعتراف کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش یا سال کا صحیح علم کسی کو نہیں، اور جب کسی واقعہ کا وقت ہی معلوم نہیں تو اس نامعلوم واقعہ کے لئے کوئی من گھڑت نقطۂ آغاز مقرر کر کے اس کے حساب سے سالوں کو شمار کرنا سراسر غلط ہے، معلوم ہوا کہ مروّجہ جعلی عیسوی کیلنڈر کے مطابق یہ دعویٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو گویا دو ہزار اٹھارہ/ ۲۰۱۸ سال ہو چکے ہیں درست نہیں محض بے بنیاد ہے، لہٰذا ۲۰۱۸ کے موجودہ ہندسے صحیح نہیں۔ اسی طرح مذکورہ نامعلوم واقعہ کے ماقبل کے زمانہ کو **ما قبل المسیح** اور مابعد کے زمانہ کو **ما بعد المسیح** سے تعبیر کرنا بھی تعریف مجہول بالمجہول ہے جو معتبر نہیں۔

اس کے برخلاف مسلمانوں کا ہجری کیلنڈر جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سال سے شروع ہوا تھا اور اس کے مطابق سالوں کا نمبر شمار ۱۴۳۹ھ ہے، وہ سو فیصد درست اور قابلِ اطمینان ہے، کیونکہ واقعۂ ہجرت کا وقت معتبر و مستند روایات کی روشنی میں متعین ہے، اگر کوئی اختلاف ہے بھی تو وہ سال و ماہ کا اختلاف نہیں بلکہ دن اور تاریخ کا ہے جو بہت ہی معمولی ہے۔ اور توقیت کے لئے ہجری کیلنڈر کے نقطۂ آغاز سے مابعد کے زمانہ کو بتانے کے لئے جس طرح **بعد الهجرة** کے سنین مستعمل ہیں، اگر ہجرت کے زمانہ ماقبل کے سنین

کوما قبل الھجرۃ سے تعبیر کیا جائے تو زیادہ صحیح اور حقیقت پر مبنی ہوگا۔

اور ہجری سال دراصل قمری سال ہے، جو انسانی تاریخ کے ابتدائی دور سے چلا آرہا ہے، کیونکہ پہلی تاریخ کے چاند کے طلوع ہونے اور چودھویں کا چاند بننے وغیرہ کا مشاہدہ ہر انسان کرتا چلا آرہا ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ شمسی سال کے بجائے قمری سال اصل ہے، کیونکہ وہ آنکھوں کے مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے جبکہ شمسی سال کے لئے حسابات اور کلینڈر کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

مروّجہ عیسوی کیلنڈر دراصل شمسی کیلنڈر ہے

صحیح بات یہ ہے کہ مروّجہ عیسوی کیلنڈر دراصل شمسی کیلنڈر ہے، جسے عیسائیوں نے بالکلیہ غلط طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کرکے اُسے عیسوی کیلنڈر بنالیا، کیونکہ زمین کی دوسری حرکت آفتاب کے گرد ایک بیضوی دائرہ پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے موسم بدلتے رہتے ہیں، وہ اپنا ایک چکر ۳۶۵ دن کی مدت میں پورا کرتی ہے، اس مدت کو شمسی سال کہا جاتا ہے۔

اور جب یہ شمسی سال ہے تو اس کے ہندسے لکھتے وقت ''ء'' (ع) لکھنے کے بجائے ''ش'' لکھنا چاہئے، جیسے ۲۰۱۸ش۔

بہر حال مروّجہ شمسی کیلنڈر کو قدیم زمانہ سے مختلف اقوام اپنے مطلب کے مطابق اس میں ردوبدل کرکے اپنے نام سے منسوب کرتی چلی آئی ہیں، کسی زمانہ میں یہی شمسی کیلنڈر رومیوں نے اپنے نام سے بطور ''رومی کیلنڈر'' استعمال کیا، اور ''رومی کیلنڈر'' رومیوں نے شہر رومہ کی بنیاد رکھے جانے کے حساب سے شروع کیا تھا اور یہ چھٹی صدی عیسوی تک استعمال ہوتا رہا، بعد میں روما کی حکومت نے وقت کے بڑے پادری ''ڈیونیسس ایکسی گھس'' (Dionysius Exiguss) کو ذمہ داری سونپی کہ وہ ایک کیلنڈر تیار کرے جو بجائے رومی کیلنڈر کے عیسوی کیلنڈر کہلائے، چنانچہ اس نے بھی ایک شمسی کیلنڈر کو غلط طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرکے سنہ عیسوی کی بنیاد ڈالی، اور بار بار ترمیم واضافہ سے اُسے اپنے مطلب کے مطابق بنایا، حالانکہ اُن کو معلوم تھا اور آج بھی وہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے، اور آخری بار اس کیلنڈر میں پاپائے گریگوری کے حکم سے ترمیم ہوئی۔ پاپائے گریگوری نے جو ترمیم کی تھی اُسے تمام ملکوں نے ایک ہی وقت میں قبول نہیں کیا، مختلف ملکوں نے مختلف اوقات میں اس ترمیم کو قبول کرکے اپنے ممالک میں گریگوری کلینڈر جاری کیا۔ مثلاً انگلستان نے یہ کیلنڈر ۱۷۶۳ش میں اختیار کیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہیں

نومبر کے آخری ہفتہ میں (۲۵ر نومبر ۲۰۱۲ء ش کے اخبارات کے مطابق) سابق پوپ بنی ڈکٹ نے اپنی کتاب میں واضح کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش ۲۵ر دسمبر اور جو پیدائشی سال مشہور ہے یہ صحیح نہیں، اس پر بعض حلقوں نے حیرانی کا اظہار کیا، جبکہ ان کا کہنا ٹھیک ہے اور حقائق اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ ''یسوع مسیح'' (Jesus Christ) میں لکھا ہے کہ ''حیاتِ مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کردی جائے کہ اس کے لئے مواد موجود نہیں، اُن کی زندگی کے اُن دنوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ نہیں جن کے متعلق ہمارے پاس کچھ ریکارڈ ہے''۔......عام طور پر معروف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش ۲۵ر دسمبر ہے، اور پوری دنیا میں اسی حوالے سے کرسمس کا دن منایا جاتا ہے، ......بشپ جارنس اپنی کتاب (Rise of Christianity) میں تحریر کرتے ہیں کہ ''اس تعین کا کوئی قطعی ثبوت نہیں کہ ۲۵ر دسمبر ہی مسیح کی پیدائش کا دن ہے''۔

مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ لاہور کی شائع کردہ کتاب قاموس الکتاب (لغاتِ بائبل، مؤلفہ: الیف الیس خیر اللہ، پادری) میں ہے: عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سنہ عیسوی کا آغاز یسوع مسیح کی پیدائش کی تاریخ سے ہوا، مسیح کی پیدائش کی تاریخ یا سال کا صحیح علم کسی کو نہیں، غالباً اُن کی پیدائش ۷۵۳ء رومی سال میں ہوئی، ......اس رومی سال کے بارہ مہینے تھے، جو ۲۹ اور ۳۰ دن کے ہوتے ہیں، ہر سال اس میں کچھ اضافہ کیا جاتا تھا تاکہ شمسی سال اور سرکاری سال میں ہم آہنگی قائم رہے، لیکن بعض رومی افسروں نے جن کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ حساب کرکے دنوں کا اضافہ کریں، لاپرواہی کی، یوں قیصر جولیس (Julius Caesar) کے عہد میں شمسی اور سرکاری سال میں دو تین ماہ کا فرق پڑ گیا۔ (ماٴخذ: مضمون ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کب پیدا ہوئے اور مروّجہ کیلنڈر کی حقیقت کیا ہے؟'' تحریر: جناب رانا محمد شفیق پسروری صاحب)

داستانِ ماہ وسال اور قمری مہینوں کی اہمیت

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ابتداء میں لوگ چاند ہی کے مہینے جانتے تھے، اور بارہ مہینوں کا سال شمار کرتے تھے، کیونکہ یہ جو دن رات ہوتے ہیں اِن کو شمار کرنے کے لئے چاند کے عروج و زوال کو معیار بنانے کے سوا کوئی چیز ایسی نظر ہی نہیں آتی جس سے شمار کیا جاسکے، صرف ایک بات ہر دیکھنے والے کو نظر آتی ہے وہ یہ کہ تیس یا اُنتیس دنوں کے بعد چاند بہت باریک سا دکھائی دیتا ہے، اس کے بعد سے روز بہ روز بڑھتا رہتا ہے اور پورا چاند روشن ہوجاتا ہے، اسی طرح روز بہ روز گھٹتا رہتا ہے اور گم ہوجاتا ہے، پھر دو تین راتوں کے بعد باریک سا نمودار ہوتا ہے۔ جب بارہ مرتبہ اسی طرح چاند کا عروج و زوال ہوجاتا ہے تو یہ نظر آتا ہے کہ تقریباً وہی پچھلا

موسم آجاتا ہے، اس طرح مہینے کے تیس یا اُنتیس دن ہوئے اور سال کے بارہ مہینے، اس حقیقت کی شناخت کے لئے نہ کسی فلکیاتی حساب کی ضرورت ہے اور نہ کسی رصدگاہ کی۔

دنیا اسی قاعدہ پر عمل کرتی رہی، البتہ سال کے شمار کے لئے کسی بڑے واقعہ کو ابتداء قرار دیکر حساب ہوتا رہا، کہیں کسی بڑے میلے ٹھیلے کو ابتداء قرار دیا گیا، اور کہیں کسی زلزلہ، سیلاب، جنگ یا کسی بادشاہ کی تخت نشینی کو۔ اس کے بعد انسانوں نے بڑے بڑے عبادت خانے بنائے، وہاں پروہت مقرر ہوئے، ان پروہتوں کو نذرانے پیش کئے جانے لگے، سالانہ مذہبی میلے ہونے لگے، پروہتوں نے لوگوں پر یہ پابندی عائد کی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار کا ایک حصہ لاکر ان پروہتوں کی نذر کریں، صومعات، کلیساؤں اور بُت خانوں پر چڑھاوے چڑھادیں۔

جب یہ طریقہ رواج پاگیا تو محسوس ہوا کہ جن قمری تاریخوں میں نئی فصل تیار ہوتی ہے، تین چار سال کے بعد ٹھیک اُن ہی قمری تاریخوں میں وہ فصل تیار نہیں ملتی بلکہ ان کی تیاری میں ایک چاند (ایک مہینہ) کی دیر ہوتی ہے، اس لئے حسابیوں نے قمری تاریخوں میں "کبیسہ" کا طریقہ رائج کیا، اور شمسی سال کا حساب برابر کردیا گیا۔

کبیسہ

"کبیسہ" کا طریقہ یہ ہے کہ دو یا تین سال کے بعد ایک ماہ کا سال میں اضافہ کر کے سال کو بارہ مہینوں کی بجائے تیرہ مہینوں کا بنانے لگے۔ ابتداء میں تو قمری مہینوں کے ساتھ ہی کچھ زائد دن لگا کر ایک مخلوط طریقۂ حساب رائج ہوا، جس کے ذریعہ بارہ قمری مہینوں کو موسمی سال شمسی کے برابر کردیا گیا، جیسا کہ ہمیں ہندوستان، چین، اور قدیم مصری و شامی کیلنڈر میں نظر آتا ہے، اسی طرح کا کیلنڈر یہودیوں کا بھی ہے، اس کے بعد شمسی سال اور مہینوں کا حساب الگ الگ ہونے لگا، مذہبی امور کے لئے قمری حساب کسی نہ کسی قدر باقی رکھا گیا، مثلاً نصاریٰ کا "ایسٹر"، ہندوؤں کی "دیپاولی"، اور یہودیوں کا "صومِ کبور" اب بھی قمری حساب سے ہوتے ہیں۔ باقی کاروباری ضرورتوں کے لئے شمسی سال رائج ہوگیا۔

قمری سال

آج کی دنیا میں قمری اور شمسی دونوں قسم کے سال کا شمار موجود ہے، قمری سال حقیقی ہے، یعنی چاند کے بارہ مرتبہ عروج و زوال کو ایک سال شمار کیا جاتا ہے، اس میں موسم کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، کبھی یہ سال سردیوں میں شروع ہوتا ہے اور کبھی گرمیوں میں، کبھی بہار میں اور کبھی خزاں میں۔

چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے، وہ دائرہ جس پر چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے بالکل گول نہیں ہے، اس لئے چاند کبھی زمین سے قریب تر ہوتا ہے اور کبھی بعید تر، اسی طرح چاند کی رفتار ہر جگہ برابر نہیں ہوتی، کہیں تیز

ہوتی ہے اور کہیں سست، اس لئے زمین کے گرد چاند کا چکر بھی ۳۰ دن میں مکمل ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ دن میں، اسی طرح چاند کے مہینے کبھی ۲۹ کے ہوتے ہیں اور کبھی ۳۰ کے۔

زمین کے گرد چاند کے بارہ چکروں کی مجموعی مدت ۳۵۴ دن، ۴۸ منٹ، ۳۴ سیکنڈ ہوتی ہے، اس لئے ہر قمری سال اتنی ہی مدت کا ہوتا ہے، اس میں کسی حسابی کے زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں، کسی ایک مقام پر تیرہویں بار چاند اس سے کم مدت میں نظر آ ہی نہیں سکتا، یہ تو ممکن ہے کہ مطلع غبار آلود ہو یا بادل چھائے ہوئے ہوں تو چاند وقت پر نظر نہ آئے، لیکن یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس سے کم مدت میں چاند نظر آئے۔ یہی قمری سال مسلمانوں کے ہجری کیلنڈر میں شمار ہوتا ہے۔

شمسی سال

زمین کی دو قسم کی حرکتیں ہیں، ایک اپنے محور پر جس کی وجہ سے رات دن ہوتے ہیں، یعنی نصف کرۂ زمین آفتاب کے سامنے ہوتا ہے، اور نصف آفتاب کی روشنی سے محروم رہتا ہے۔ دوسری حرکت آفتاب کے گرد ایک بیضوی دائرہ پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے موسم بدلتے رہتے ہیں، زمین اس بیضوی دائرہ پر اپنا ایک چکر ۳۶۵ دن، پانچ گھنٹوں، ۴۸ منٹ، اور ۴۶ سیکنڈ میں پورا کرتی ہے، اس مدت کو شمسی سال کہا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مدت بارہ مساوی مہینوں پر قابلِ تقسیم نہیں ہے، اس لئے موجودہ شمسی عیسوی سال میں ۳۶۵ دنوں کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ سات مہینوں کے دن ۳۱، ۳۱ ہیں، چار مہینوں کے ۳۰، ۳۰ اور ایک مہینہ کے صرف ۲۸ رکھے گئے ہیں، اس طرح ۳۶۵ پورے کرلئے گئے ہیں، باقی رہے کسور تو اس کے لئے ہر چوتھے سال کے ماہِ فروری میں ایک دن کا اضافہ کرلیا جاتا ہے، اور ۲۹ دن شمار کرلئے جاتے ہیں، لیکن حقیقۃً یہ تقسیم بھی کسور پر حاوی نہیں ہوتی، اسی لئے چار سو سال کے بعد موسم اور مہینے میں فرق پڑ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شمسی حساب کے کیلنڈر میں بار بار ترمیم ہوتی رہی ہے، اور ہمیشہ ہوتی رہے گی، کبھی دن بڑھانے پڑتے ہیں اور کبھی مہینوں میں اُلٹ پھیر کر کے سال کو نئے نقطہ سے شروع کرنا پڑتا ہے۔

سنہ ہجری

عرب میں ہمیشہ سے قمری سال رائج تھا، اور مہینوں کے نام بھی یہی تھے، محرم، صفر وغیرہ، سال کے آخری مہینہ میں حج بھی ہوا کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے ان میں یہی طریقہ رائج تھا۔ اگرچہ حج کا اجتماع ایک مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہوتا تھا، لیکن عرب کے لوگ اس اجتماع سے تجارتی و ثقافتی فائدے بھی اٹھاتے تھے، بڑے پیمانے پر کاروباری معاملات اور بڑے اجتماع بھی ہوتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ سے تقریباً سوا تین سو سال پہلے عرب کے لوگ بُت پرستی سے آشنا ہوئے، اور یہ مرض دیگر تمام خرابیوں کیساتھ نہایت تیزی کیساتھ عرب کے ہر گھر میں پھیل کر پوری طرح جاگزیں ہوگیا، اب حج ایک بُت پرستی کا میلہ بن گیا، اور طرح طرح کی رسومات کا رواج پڑ گیا۔

قمری مہینے موسموں کا ساتھ نہیں دیتے، اب جو انہوں نے دیکھا کہ حج کا وقت کبھی گرمی میں اور کبھی سردی میں آجاتا ہے، اس وقت نہ اُن کی فصلیں تیار ہوتی ہیں اور نہ جانوروں کے بچے خرید وفروخت کے لئے مہیا ہوتے ہیں، اس لئے ان لوگوں نے غالباً یہودیوں سے سیکھ کر ''کبیسہ'' کا طریقہ رائج کیا، یعنی دو یا تین سال کے بعد ایک ماہ کا سال میں اضافہ کرنے لگے، اس عملِ حسابی کو ہندوستان میں ''لوند'' کہتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ ہر تین سال کے بعد سال کو بارہ مہینوں کی بجائے تیرہ مہینوں کا بنادیتے ہیں، لیکن یہ مہینہ ہمیشہ سال کے آخر ہی میں نہیں بڑھاتے بلکہ باری باری سے ہر مہینہ کیساتھ اضافہ کیا جاتا ہے۔ ......عرب دنیا میں یہ کام پہلے پہلے جس حساب داں نے انجام دیا تھا وہ قبیلہ کنانہ کا ایک شخص ''قلمس'' نامی تھا، اس کے بعد سے یہ طریقہ رائج ہوگیا تھا کہ قبیلہ کنانہ کا سردار حج کے اجتماع میں اعلان کردیا کرتا تھا کہ آئندہ حج کس ماہ میں ہوگا۔

مسلمانوں کا ہجری سال حضور اکرم جناب رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے، یعنی جس سال آپ نے ہجرت فرمائی تھی اس سال کی پہلی محرم سے ۱ھ ہجری شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ ماہِ محرم سے آپ نے ہجرت کی تیاری شروع فرمادی تھی البتہ آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کے مقامِ قباء پر جس دن پہنچے تھے اس دن دوشنبہ ۸ر ربیع الاول ۱ھ ہجری تھا، جو موجودہ گریگوری کیلنڈر کے حساب سے ۲۰ر ستمبر ۶۲۲ء ش پڑتا ہے۔......اس سال کی تاریخ یکم محرم موجودہ گریگوری کیلنڈر کے بموجب جمعہ ۱۶ر جولائی ۶۲۲ء ش پڑتی ہے، اور یہ ۱ھ کی ابتداء ہے۔ (مأخذ: تقویم تاریخی، مؤلفہ: جناب عبدالقدوس ہاشمی صاحب)

شمسی اور قمری حساب قرآنِ کریم کی روشنی میں

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿والشَّمسَ وَالقَمَرَ حُسبَاناً (الأنعام-۹۶)﴾

اللہ تعالیٰ نے آفتاب و ماہتاب کے طلوع وغروب اور اُن کی رفتار کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، جس کے ذریعہ انسان سالوں مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کا بلکہ منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب بآسانی لگا سکتا ہے۔ یہ اللہ جل شانہٗ ہی کی قدرتِ قاہرہ کا عمل ہے کہ ان عظیم الشان نورانی گروں اور اُن کی حرکات کو ایسے مستحکم اور مضبوط انداز سے رکھا ہے کہ ہزاروں سال گذر جانے پر بھی ان میں کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا،

ان کی مشینری کو نہ کسی ورک شاپ کی ضرورت پڑتی ہے، نہ پُرزے گھسنے اور بدلنے سے کوئی سابقہ پڑتا ہے، یہ دونوں نُور کے کُرے اپنے اپنے دائرہ میں ایک معین رفتار کیساتھ چل رہے ہیں۔

قرآن کریم کے اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کردیا کہ سالوں اور مہینوں کا حساب شمسی بھی ہوسکتا ہے اور قمری بھی، دونوں ہی اللہ جَلّ شانہٗ کے انعامات ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ عام اَن پڑھ دنیا کی سہولت اور اُن کو حساب کتاب کی اُلجھن سے بچانے کے لئے اسلامی احکام میں قمری سَن وسال استعمال کئے گئے، اور چونکہ اسلامی تاریخ اور اسلامی احکام سب کا مدار قمری حساب پر ہے، اس لئے اُمت پر فرض ہے کہ وہ اس حساب کو قائم اور باقی رکھے، دوسرے حساباتِ شمسی وغیرہ اگر کسی ضرورت سے اختیار کئے جائیں تو کوئی گناہ نہیں، لیکن قمری حساب کو بالکل نظر انداز اور محو کردینا گناہِ عظیم ہے، جس سے انسانوں کو یہ بھی خبر نہ رہے کہ رمضان کب آئے گا اور ذی الحجہ اور محرم کب۔

شرعی احکام میں قمری تاریخ کا حساب ہی متعین ہے

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ الخ (البقرة-۱۸۹)﴾

شریعتِ اسلام میں عموماً قمری سن، مہینہ اور تاریخوں کا اعتبار کیا گیا ہے، پھر وہ عبادات جن کا تعلق کسی خاص مہینے اور اس کی تاریخوں سے ہے، جیسے رمضان کے روزے، حج کے مہینے، ایامِ حج، زکوٰۃ، عدت، محرم، شب براءت وغیرہ، وہ سب رؤیتِ ہلال سے متعلق کئے گئے ہیں اور ان میں قمری حساب کو بطور فرض متعین کردیا گیا ہے، اور عام معاملات، تجارت وغیرہ جو عبادتِ اسلامی کا ذریعہ اور ایک طرح کے اسلامی شعار ہیں، ان میں بھی قمری حساب ہی کو پسند کیا، اگرچہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا، بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے، مگر اپنے کاروبار، تجارت وغیرہ میں شمسی استعمال کرے۔ شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری، فروری وغیرہ کے سوا کوئی مہینے ہی معلوم نہ ہوں، کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات، روزہ وحج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہوگیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرت قومی وملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے ان میں صرف شمسی حساب رکھیں،

باقی نجی خط و کتابت اور روزہ مرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا، اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔

قمری تاریخوں کو یاد رکھنا فرضِ کفایہ ہے

چونکہ احکامِ اسلام کا دار و مدار قمری حساب پر ہے اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرضِ کفایہ قرار دیا ہے، تاکہ مسلمانوں کو معلوم رہے کہ رمضان کے روزے کب شروع ہوں گے اور حج کے ایام کب آئیں گے وغیرہ۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ سنتِ انبیاء اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں قمری ہی حساب استعمال کیا گیا ہے، اس کا اتباع موجب برکت وثواب ہے۔

شرعی احکام میں قمری تاریخ کی حکمت

شریعتِ اسلام نے چاند کے حساب کو اس لئے اختیار فرمایا کہ اس کو ہر آنکھوں والا افق پر دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے، عالم، جاہل، دیہاتی، جزیروں، پہاڑوں کے رہنے والے جنگلی سب کے لئے اس کا علم آسان ہے، بخلاف شمسی حساب کے کہ وہ آلاتِ رصدیہ اور قواعدِ ریاضیہ پر موقوف ہے، جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ الخ (التوبة-٣٦)﴾، یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے، اس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔ اور یہ بات ازل سے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی تھی، لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعیین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان و زمین پیدا کئے گئے۔

انبیاء علیہم السلام کے شرائع میں تاریخ کا حساب رات سے ہوتا ہے

﴿وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً (الأعراف-١٤٢)﴾

انبیاء علیہم السلام کے شرائع میں تاریخ کا حساب رات سے ہوتا ہے، کیونکہ اس آیت میں بھی تیس دن کے بجائے تیس راتوں کا ذکر فرمایا ہے، وجہ یہ ہے کہ شرائعِ انبیاء میں مہینے قمری معتبر ہیں، اور قمری مہینہ کا شروع چاند دیکھنے سے ہوتا ہے وہ رات ہی میں ہوسکتا ہے، اس لئے مہینہ رات سے شروع ہوتا ہے، پھر اس کی تاریخ غروبِ آفتاب سے شمار ہوتی ہے، جتنے آسمانی مذاہب ہیں ان سب کا حساب اسی طرح قمری مہینوں سے اور شروع تاریخ غروبِ آفتاب سے اعتبار کی جاتی ہے۔ قرطبی نے بحوالہ ابنِ عربی نقل کیا ہے کہ "حسابُ

الشمس للمنافع وحسابُ القمر للمناسِکِ"۔

نظامِ شمسی اور قمری اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں ہیں

﴿الشَّمسُ وَالقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمن-۵)﴾ انسان کے لئے حق تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین و آسمان میں پیدا فرمائی ہیں اِس آیت میں علویات میں سے شمس وقمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالمِ دنیا کا سارا نظام کار ان دونوں سیاروں کی حرکات اور اُن کی شعاعوں سے وابستہ ہے۔...... شمس وقمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں، رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین، ان کی تمام حرکات اور دوروں کا نظامِ محکم ایک خاص حساب اور اندازے کے مطابق چل رہا ہے،......ان میں سے ہرایک کے دورہ کا الگ الگ حساب ہے، مختلف قسم کے حسابوں پر یہ نظامِ شمسی اور قمری چل رہا ہے، اور حساب بھی ایسا محکم و مضبوط کہ لاکھوں سال سے اس میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔

نیا سال منانے اور اُس کی مبارکباد دینے کا حکم

۲۔ اسلام میں نیا سال (نیو ایئر) منانے کا کوئی تصور نہیں، خواہ وہ شمسی سال ہو یا قمری، لہٰذا مسلمانوں کے لئے عیسائیوں کو نئے سال (نیو ائیر) کی مبارکباد دینا چونکہ اُن کے غلط عقیدہ کی تائید کرنا ہے اس لئے درست نہیں، اور نئے سال کو مروّجہ طریقہ پر منانا، اور اس سلسلہ میں منعقدہ تقریبات میں شریک ہونا، جو عموماً بے شمار منکرات پر مبنی ہوتی ہیں جائز نہیں۔

نئے سال کے آغاز پر دعاءِ خیر کرنے کا حکم

البتہ قمری سال ہو یا شمسی سال اس کی ابتداء میں اگر انسان آنیوالے سال اور آنیوالی زندگی کے لئے خیر کی دعاء کرے تو وہ اگرچہ شریعت سے ثابت نہیں لیکن بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ہر ماہ کے شروع اور ہر رات کے شروع اور ہر دن کے شروع کے وقت کی دعائیں مستند احادیث سے ثابت ہیں جو درج ذیل ہیں، نیز ایسے موقعہ پر دین کی کوئی نصیحت پر مبنی بات کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

مہینہ کے آغاز کی دعاء

"اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى، رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ".

ترجمہ: یا اللہ! اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی، اسلام اور آپ کے پسندیدہ اعمال کی توفیق لے کر طلوع فرمائیے!

(اے چاند!) میرا اور تیرا دونوں کا پروردگار اللہ ہے۔

رات کے آغاز کی دعاء

اللّٰهُمَّ أَسْأَلُکَ خَيْرَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ، وأَعُوذُ بِکَ من شَرِّ هَذِهِ اللَّيْلَةِ وشَرِّ ما بعدَها".

ترجمہ: یا اللہ! میں آپ سے اس رات کی بھلائی مانگتا ہوں، اور اس رات اور اس کے بعد کے زمانہ کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

دن کے آغاز کی دعاء

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسأَلُکَ خَيْرَ هَذَا اليَومِ فَتحَهُ وَنَصرَهُ وَنُورَهُ وَبَرَكَتَهُ وَهُدَاهُ، وَأَعُوذُ بِکَ مِن شَرِّ مَا فِيهِ وَشَرِّ مَا بَعدَهُ".

ترجمہ: یا اللہ! میں آپ سے اِس دن کی بھلائی مانگتا ہوں، مقاصد میں کامیابی، دشمن کے مقابلہ میں مدد، نور، برکت اور ہدایت مانگتا ہوں، اور اس میں اور اس کے بعد والے دن میں جو شر ہے اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفراللہ
محمود اشرف عثمانی
مفتی جامعہ دار العلوم کراچی
۲۸ رشعبان ۱۴۳۹ھ
15 رمئی 2018ء

احقر محمد سلمان سکھروی
محمد سلمان سکھروی عفی عنہ
دار الافتاء، جامعہ دار العلوم کراچی
۲۸ رشعبان ۱۴۳۹ھ
۱۵ رمئی ۲۰۱۸ء

الجواب صحیح
بندہ عبدالرؤف
عبدالرؤف سکھروی
مفتی جامعہ دار العلوم کراچی
۲۸ رشعبان ۱۴۳۹ھ
۱۵ رمئی ۲۰۱۸ء

مولانا خورشید حسن قاسمی ——— دارالعلوم دیوبند

علوم حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے امین وترجمان

استاذ مکرم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ
صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

حضرت ،نوراللہ مرقدہ، کے خانوادہ سے راقم الحروف کے خانوادہ کا تعلق تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔
اس دیرینہ ترین تعلق کی مختصر سی وضاحت یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے جد مکرم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند راقم الحروف کے جد مکرّم حضرت مولانا نبیہ حسن صاحبؒ سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے ہیں جن کے تاریخی اور یادگار دستخط کی سند تقریباً نصف صدی سے بھی زیادہ سے راقم الحروف کے پاس خاندان کے بزرگوں کے توسط سے محفوظ وموجود چلی آرہی ہے، اس کے علاوہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ،نوراللہ مرقدہ، راقم الحروف کے خانوادہ کی برگزیدہ ترین شخصیت، فقیہ ملّت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے معاصرین میں سے ہیں (جدّ مکرم حضرت مولانا نبیہ حسنؒ کے اجلۂ تلامذہ میں سے ہیں) اور خود حضرت خطیب الاسلام مولانا سالم صاحب قاسمیؒ راقم الحروف کے والد ماجد حضرت مولانا سیّد حسن صاحبؒ سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں اور راقم الحروف کے حضرت آخری استاذ ہیں۔
دورانِ تعلیم راقم الحروف کے حضرتؒ سے علمی کسب فیض کے بعد مادر علمی دارالعلوم میں بھی حضرتؒ سے راقم کی طویل شعبہ جاتی رفاقت بھی رہی ہے، مادر علمی دارالعلوم کی سابقہ انتظامیہ کے دور میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ اور امیر شریعت حضرت مولانا سیّد منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک وتجویز پر دارالعلوم دیوبند میں محکمہ عدلیہ شرعیہ دارالقضاء کا قیام ہوا جو ۱۳۹۶ھ سے تقریباً ۱۴۰۰ھ تک قائم رہا، جس کے اراکین واساطین شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ، حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا مفتی سیّد احمد علی سعید صاحبؒ قاضی مقرر رہے اور راقم الحروف خورشید حسن قاسمی معتمد شعبہ دارالقضاء رہا، اس طویل شعبہ جاتی

رفاقت میں حضرتؒ کی ہمیشہ عنایات وخصوصی توجہات شامل حال رہیں اور دارالعلوم دیوبند کا نظام تبدیل ہونے کے بعد بھی حضرتؒ کی ہمیشہ شفقت وعنایت جاری وساری رہی اور راقم کے یہاں تقریباً تمام ہی تقریبات میں حضرتؒ کی شرکت اور دعائیہ کلمات کا موقع ملتا رہا۔

ماضی قریب میں حضرتؒ کے دست مبارک سے راقم الحروف کے اشاعتی ادارے سے شائع شدہ کتاب جو کہ حضرت نانوتویؒ کی گرامی قدر شخصیت پر مشتمل تھی، حضرت نے علالت ومعذوری کے باوجود مذکورہ کتاب کا تاریخی اجراء بھی فرمایا اور اس پیرانہ سالی وضعف نقاہت میں بھی حضرتؒ نے راقم الحروف کے فرزند مولوی واصف حسن سلمہ، کی تقریباً تمام ہی کتب پر تقریظ اور رائے گرامی بھی خاص طور پر تحریر فرمائی۔

حضرت، نور اللہ مرقدہ، کے عظیم علمی یادگار کارناموں میں وقف دارالعلوم کے قیام کے علاوہ ادارہ تاج المعارف کا قیام اور ادارہ جامعہ دینیات کا قیام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

آخر الذکر علمی ادارہ دراصل منفرد نوعیت کا خاموش نظام تعلیم اور بذریعہ مواصلات ومراسلات علوم شرعیہ کے علاوہ علوم جدیدہ وثقافت ہند پر مشتمل مختصر وقت میں تعلیم حاصل کرنے کا اعلیٰ ترین سلسلہ کے علاوہ گھر گھر علم پہنچنے کا ذریعہ ہے، مذکورہ ادارہ کی سند فضیلت مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے علاوہ دیگر اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں تقریباً دسویں کلاس تک قابل تسلیم ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ نے طویل عرصہ تک مذکورہ تعلیمی ادارے سے ایک زمانہ میں پندرہ روزہ مجلّہ اور ایک اعلیٰ علمی جریدہ "میقات" کے نام سے بھی جاری فرمایا تھا جو کہ طویل عرصہ تک جاری رہا جس کے معاون خصوصی جناب مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ مقیم امریکہ رہے، اس ادارہ کی علمی خدمات تقریباً نصف صدی سے زائد پر مشتمل ہیں، اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں زمانۂ تدریس کے دوران حضرتؒ کی زیر سرپرستی ایک تعلیمی ادارہ مجلس معارف القرآن (اکیڈمی قرآن عظیم) کے نام سے بھی ایک شعبہ مسجد قدیم کی جانب جنوب بالائی منزل میں (موجودہ قیام گاہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند) ایک عرصہ تک قائم رہا جس سے علوم قرآنی پر مشتمل وقیع کتب ورسائل اشاعت پذیر ہوئے اور مذکورہ شعبہ سے ہی تفسیری خدمت پر مشتمل منفرد نوعیت کی تصنیف "جائزہ تراجم قرآنی" وغیرہ کتب اشاعت پذیر ہوئیں مذکورہ کتاب کے معاون خصوصی ومرتب جناب مولانا عبدالرؤف عالیؒ رہے۔

حضرتؒ کی خدمات تقریباً نصف صدی سے زائد پر مشتمل ہیں، مشرق ومغرب میں حضرتؒ کے تلامذہ تدریسی، تعلیمی، تصنیفی وتبلیغی خدمات میں مشغول ہیں، حضرتؒ کی وفات حسرت آیات سے جو ملّی اور قومی نقصان واقع ہوا ہے بظاہر حالات اس کی تلافی مشکل ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرتؒ کے سانحۂ

رحلت کی وجہ سے جو کام درمیان میں رہ گئے ہیں ان کی تکمیل کی کوشش کی جائے، خصوصاً حضرتؒ کے علمی علوم ومعارف پر مشتمل حضرتؒ کے وقیع خطبات وبیانات وگرانقدر مضامین ومقالات جمع کئے جائیں اور اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے اُن کو عام سے عام کیا جائے دراصل حضرتؒ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ تھے، علوم حضرت نانوتویؒ کے حقیقی امین وترجمان اور مسلک ولی اللّٰہی کے عظیم داعی اور ساعی اور نمونۂ اسلاف تھے، حضرت کی وفات سے آج تمام ہی علمی حلقے آہ بلب اور اشکبار ہیں، خداوند قدوس حضرت کے جملہ اہل خانہ اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کے درجات بلند فرمائے اور حضرت کے علمی جانشین عزیزم مولانا محمد سفیان قاسمی سلمہ کو حضرتؒ کی وفات کی وجہ سے ناتمام امور کی تکمیل کا حوصلہ وعزیز موصوف سلمہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

قعدہ کے آخر میں مانگی جانے والی دعاء

حضرت شدّاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ، وَأَسْأَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ ، وَأَسْأَلُکَ قَلْباً سَلِیْماً وَلِسَانًا صَادِقاً ، وَخُلُقاً مُسْتَقِیْماً، وَأَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَاتَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَاتَعْلَمُ وَاسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ . اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ .

ترجمہ: اے اللہ میں اہم معاملات میں ثابت قدم رہنے کا اور ہدایت کے پکے ارادہ کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میں سوال کرتا ہوں کہ آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کروں اور آپ کی اچھی عبادت کروں۔ میں آپ سے مانگتا ہوں کہ میرا دل صاف ستھرا ہو، میری زبان سچی ہو اور میرے اخلاق میں استقامت ہو۔ اے اللہ جو خیر آپ کے علم میں ہے اس کی درخواست کرتا ہوں اور جو شر آپ کے علم میں ہے اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور میرے جو گناہ آپ کے علم میں ہیں ان کی مغفرت چاہتا ہوں۔ بے شک آپ غیب کی باتوں کو جاننے والے ہیں۔ (نسائی، احمد، حاکم، حصن حصین، مشکوۃ، مرقاۃ ص ۳۵۵ ج ۲)۔

ڈاکٹر محمد حسان اشرف عثمانی

آپ کا سوال

قارئین صرف ایسے سوالات ارسال فرمائیں جو عام دلچسپی رکھتے ہوں اور جن کا ہماری زندگی سے تعلق ہو، مشہور اور اختلافی مسائل سے گریز فرمائیں.......................(ادارہ)

سوال: کسی دکان یا مکان کے سامنے کی جگہ کو مہاگہ کہا جاتا ہے، صاحبِ دکان یا مکان اس پر اپنا حق سمجھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص اس مہاگہ کی جگہ میں ٹھیلا لگانا چاہے تو صاحب دکان یا صاحب مکان کو اس سے کرایہ لینا مہاگہ کی جگہ کا جائز ہے؟

جواب: اگر دکان کے سامنے کا حصہ عام لوگوں کا راستہ ہے، دکاندار کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو اس جگہ ٹھیلہ لگانے والوں سے کرایہ وصول کرنا، اور اس جگہ اپنا حق سمجھنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ عام گذرگاہ ہے، اس میں سب لوگوں کا حق ہے، البتہ اگر دکان کے سامنے ٹھیلہ لگانے سے دکان کا عام حصہ گاہکوں سے چھپ جاتا ہو، اور گاہکوں کو دکان تک پہنچنے میں تکلیف ہوتی ہو، تو دکاندار دوسروں کو اس جگہ ٹھیلہ لگانے سے منع کرسکتا ہے۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ عام گذرگاہوں میں اس طرح ٹھیلہ لگانا کہ اس سے گذرنے والوں کو تکلیف ہو، اور عام چلنے والوں کو مشکل پیش آئے، جائز نہیں ہے۔ (ماخذہ: التبویب: ۱۴/۱۱۷/۷)

سوال: اگر کوئی شخص مہاگہ کی جگہ میں ٹھیا یا ٹھیلا لگائے اور دکان یا مکان کی دیوار کو استعمال کرے کہ اس پر چیزیں ٹانگے (ڈھیلے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے) یا سائے کے لئے کپڑا یا ٹین کی چھت اس دیوار پر رکھے تو اس صورت میں کرایہ لینا جائز ہے؟

جواب: اس صورت میں مالک دکان یا مکان کے لئے دکان یا مکان کی دیوار استعمال کرنے والے سے کرایہ وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس جگہ ٹھیلہ لگانے سے عام گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

سوال: اسلام میں مسلمان عورت یا مرد کو کسی حرام جانور مثلاً خنزیر، کتے کا بچہ وغیرہ کہہ کر یا کسی اور طرح کی مغلظ گالی دینے کا عذاب کیا ہے؟

جواب: گالی گلوچ یا فحش کلام تعلیماتِ اسلامی کے سراسر منافی ہے؛ اس لئے اسلام نہ صرف انسانوں کو گالی دینے سے سختی کے ساتھ روکتا ہے بلکہ جانوروں کو بھی گالی دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ مبارکہ میں گالی دینے، فسق اور فحش گوئی کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔ پھر انسان تو اشرف المخلوقات ہیں ان کو خنزیر وغیرہ کہنا سراسر جھوٹ ہونے کی وجہ سے سخت گناہ کی بات ہے۔ بہت سے فقہاء کرام کے نزدیک ایسے لوگوں پر حاکمِ وقت کو تعزیری سزا جاری کرنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر اس سے اجتناب لازم ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیھقی، ۸: ۲۰) (البحر الرائق، ۵: ۵۰)

سوال: فحش گالی کے ذریعے دین کی بات سمجھانا جبکہ متبادل مثال موجود ہو، کیسا ہے؟

جواب: جس طرح فحش گوئی اور فحش کلام کی شرعاً ممانعت ہے اسی طرح اگر کوئی مثال شرعی نقطۂ نگاہ سے متعین طور پر فحش مثال میں شامل ہو جس کی کوئی صحیح تاویل اور توجیہ بھی ممکن نہ ہو تو اس بھی اجتناب لازم ہے۔

سوال: ایک لڑکی اپنے منگیتر سے کہے کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کردو، وہ لڑکا کسی (عالم وغیرہ) سے کہے کہ اتنے مہر کے عوض میں فلانہ بنت فلاں کا نکاح میرے ساتھ کردو، تو وہ نکاح خواں دو گواہوں کی موجودگی میں کہتا ہے کہ میں نے فلانہ بنت فلاں کا نکاح دس ہزار روپے کے عوض کردیا وہ لڑکا قبول کرلے۔ پھر اس لڑکی کو خود یا SMS کے ذریعے بتادے وہ لڑکی کہدے میں نے بھی قبول کیا تو آیا یہ نکاح شرعاً درست ہے؟

واضح رہے کہ اس لڑکی کی اسی لڑکے سے نسبت طے ہوچکی ہے مگر شادی میں وقت ہے وہ دونوں آپس میں بات وغیرہ کرتے ہیں، اس گناہ سے بچنے کے لئے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے اور لڑکی اور لڑکا دونوں عاقل بالغ ہیں۔ منگنی گھر والوں کی رضامندی سے ہوئی ہے مگر نکاح کا ان کو علم نہیں۔

جواب: لڑکی کا خود اپنے منگیتر کو نکاح پڑھوانے کا وکیل بنانا درست ہے اور عالم دو گواہوں کی موجودگی میں یہ نکاح پڑھادیں تو نکاح بھی درست ہوجائے گا۔ تاہم شریعت نے نکاح علی الاعلان کرنے کو بڑی اہمیت دی ہے اور چھپ کر نکاح کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ شریعت کے اس حکم میں بڑی مصلحتیں ہیں، اور چھپ کر نکاح کرنے میں بہت مفاسد ہیں، اس لئے اس طرح چھپ کر نکاح کرنے کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے بجائے لڑکے کو چاہئے کہ وہ اپنے والدین کو جلد نکاح کروانے پر راضی کرے۔ (الفتاویٰ الھندیہ: ۱: ۲۹۵)

☆☆☆

مولانا محمد راحت علی ہاشمی

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شب وروز

جلسۂ تقسیم انعامات

۱۶رمحرم ر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷رستمبر ۲۰۱۸ء: جامعہ دارالعلوم کراچی کے تعلیمی شعبوں کے سالانہ امتحانات بابت ۱۴۳۹ھ میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات دینے کے لیے ایک جلسۂ انعامات رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی صدارت میں "جامع مسجد دارالعلوم" میں منعقد کیا گیا، اس موقع پر جامعہ دارالعلوم کراچی کے مرکز کورنگی کے شعبہ دارالقرآن، درس نظامی، تخصصات، مدرسہ ابتدائیہ وثانویہ، حراء فاؤنڈیشن اسکول کے طلبہ واساتذہ شریک ہوئے جبکہ مدرسۃ البنات کے شعبہ درس نظامی اور شعبہ مدرسہ ابتدائیہ وثانویہ اور حراء فاؤنڈیشن اسکول کی طالبات مدرسۃ البنات کے احاطہ میں منعقدہ جلسہ میں شریک رہیں۔

نیز جامعہ دارالعلوم کراچی کی شاخ بیت المکرم، شاخ نانک واڑہ، اور محمدی مسجد کے طلبہ واساتذہ بھی اپنی شاخوں کے مستحق انعام طلبہ کے ہمراہ تشریف لائے اسی طرح جامعہ دارالعلوم سے ملحقہ مکاتب قرآنیہ کے مستحق انعام طلبہ اپنے دیگر رفقاء اور اساتذۂ کرام کے ساتھ شریک رہے۔

تمام مستحقین انعام طلبہ کو مختلف دینی کتابیں، سندِ انعام اور حسبِ ضابطہ نقد رقوم وپارچہ جات انعام میں دیئے گئے۔قرآن کریم کے مرکز کورنگی، شاخوں اور ملحقہ مکاتب کے درجات حفظ وناظرہ، مدرسہ ابتدائیہ وثانویہ اور حراء فاؤنڈیشن اسکول کے طلبہ میں انعامات حضرت مولانا افتخار احمد صاحب حفظہ اللہ کے ہاتھ سے دلوائے گئے جبکہ درس نظامی اور تخصص فی الافتاء، تخصص فی الدعوۃ والارشاد، تخصص فی القراءات کے طلبہ کو انعامات حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے دلوائے گئے۔

پورے جامعہ کی سطح پر پوزیشن لینے والے طلبہ، پہلی بار پوزیشن والے طلبہ نیز وفاق المدارس میں ملکی سطح پر پوزیشن لینے والے طلبہ اور وفاق المدارس کے امتحانات میں صوبائی سطح پر پوزیشن لینے والے سعادت مند

طلبہ کو خصوصی انعامات حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم نے اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے۔

اس موقع پر حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے مختصر خطاب بھی فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے جذبات مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا جن طلبہ کو انعامات ملے ہیں اللہ تعالیٰ مبارک فرمائیں یہ تمام طلبہ دو دو رکعت نفل شکرانہ کے بھی ادا کریں، اللہ تعالیٰ آئندہ بھی کامیابیاں عطا فرمائیں، آپ کا بیان بذریعہ اسپیکر مدرسۃ البنات میں بھی نشر ہو رہا تھا، آپ نے تمام طلبہ وطالبات سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہماری جمع پونجی یہ طلبہ اور طالبات ہی ہیں، انہی کے صدقے میں ہمیں اپنی مغفرت کی امید ہے، اللہ کرے کہ آپ سب کے سب اپنے اساتذۂ کرام کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں۔ آخر میں حضرت والا نے طلبہ اور حاضرین کو دعاؤں سے نوازا اور حسب معمول شام کے تعلیمی اوقات کی چھٹی کا اعلان فرمایا، آپ کی دعا پر یہ جلسہ اختتام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا مدظلہم کا سایۂ عاطفت سلامت رکھیں اور تمام طلبہ اور خدام کو حضرت کی رہنمائی اور ہدایات کے مطابق تعلیم وتربیت کے تقاضوں کو بحسن وخوبی پورا کرنے کی توفیق اور سلیقہ مرحمت فرماتے رہیں، اور جامعہ کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھیں اور اس کے ہر شعبہ کو خیر وبرکت، ترقی وکمال عطا فرمائیں۔ آمین۔

جلسۂ انعامات کے انتظامات حضرت مولانا رشید اشرف صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے بحسن وخوبی انجام دیئے، ان کے ساتھ دیگر اساتذہ حسب ضرورت معاونت کرتے رہے۔ انعامات کی تیاری کا نظم مولانا محمد یونس صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں انجام پایا، اور اس موقع پر بیرونی شاخوں اور مکاتب سے آنے والے طلبہ واساتذہ کے کھانے کا نظم حضرت مولانا افتخار احمد صاحب اعظمی اور جناب مہتاب عالم صاحب نے اپنے کارکنان کے تعاون سے قائم کیا جبکہ کھانا کھلانے کے لیے نشستوں اور برتنوں کا انتظام جناب قاری عبدالرحمٰن انصاری صاحب حفظہ اللہ، جناب قاری عبد المتین صاحب صاحب کی نگرانی میں ہوا، ان کے ساتھ دیگر اساتذۂ شعبہ حفظ حسب موقع معاونت فرماتے رہے۔

طلبہ کو منظم رکھنے اور دار الاقامہ اور دیگر مقامات سے مسجد میں جمع ہونے کی نگرانی کا عمل حضرت مولانا محمد الحق صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ، اور دیگر قیم حضرات کے تعاون سے انجام پایا، بفضلہٖ تعالیٰ اس جلسہ کے تمام کاموں میں مذکورہ بالا شخصیات کے علاوہ جامعہ کے دیگر شعبوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے تعاون سے

حصہ لیا اور سب کی اجتماعی کاوشوں اور اکابر کی دعا و توجہات سے یہ اجتماع، بارونق اور بابرکت طریقے پر اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس پوری کارروائی کو قبول فرمائیں۔ طلبہ کے لیے نافع فرمائیں اور جامعہ کے تعلق رکھنے والوں کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ آمین۔

سندھ، ضلع تھرپارکر میں رفاہی خدمات

۹ رمحرم ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰ رستمبر ۲۰۱۸ء جمعرات کے روز نماز فجر کے فوراً بعد حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہم، مولانا محمد حنیف خالد صاحب اور جناب عابد صدیق صاحب حفظہ اللہ ضلع تھرپارکر میں جامعہ دارالعلوم کراچی کی طرف سے جاری رفاہی خدمات کے جائزے کے لئے وہاں کے معروف شہر "مٹھی" تشریف لے گئے۔ جہاں جامعہ دارالعلوم کراچی کی طرف سے متعدد کنویں اور ھینڈ پمپ نصب کئے گئے ہیں۔ چار مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں، دیگر خدمات بھی جاری ہیں جن کی تفصیلات البلاغ میں شعبان ۱۴۳۹ھ کے شمارے میں شائع ہوچکی ہیں۔ پانچویں مسجد کی تعمیر شروع ہونے والی ہے۔ اس بقرعید کے موقع پر مٹھی میں ۳۲ر گائے کی قربانی کی گئی ہے، باقاعدہ ایک سینٹر قائم کیا گیا ہے جہاں سلائی مشینیں مہیا کی گئی ہیں، جن کے ذریعے خواتین کو کپڑے سینے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے، جب کوئی خاتون یہ کام سیکھ جاتی ہے تو اسے مشین مفت ہدیہ کردی جاتی ہے۔ اس مرکز کے ذریعہ وہاں کی عورتوں کو بہت فائدہ ہورہا ہے۔ نیز دیگر روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔

مذکورہ حضرات نے انہی کاوشوں کی دیکھ بھال کے لئے مٹھی کا سفر کیا اور اسی روز عشاء کے بعد الحمدللہ بخیر وعافیت واپس تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ دارالعلوم کراچی کی ان مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے اور مخیّر حضرات کو اس مد میں بھی تعاون کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کا دو روزہ اجلاس

۱۹ر۲۰۔ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۳۰ رستمبر و یکم اکتوبر ۲۰۱۸ء اتوار، پیر دو روز وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کا اجلاس جامعہ دارالعلوم کراچی کے شعبہ دارالافتاء میں جدید تعمیر شدہ کانفرس ہال میں منعقد ہوا۔ اراکین عاملہ کی آمد ہفتہ کے دن سے شروع ہوگئی تھی اور واپس روانگی منگل کی صبح تک مکمل ہوئی۔ دو روز اجلاس جاری رہا، جس میں ملک بھر کے اکابر علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی اور وفاق المدارس

کے مختلف امور باہمی مشاورت سے طے کئے گئے ۔ پورے ملک کے اس نمائندہ اجتماع میں اکابر علماء ومشائخ کی آمد سے جامعہ دار العلوم کراچی کی رونقوں میں اضافہ ہوا اور ان کی زیارت وملاقات سے طلبہ واساتذۂ کرام بھی مستفید ہوئے ۔

اللہ تعالیٰ اس اجلاس کی برکات سے تمام مدارس کو مالا مال فرمائے اور دینی اداروں کی ہر شر و فتنے سے مکمل حفاظت فرمائے ۔ آمین ۔

دعائے صحت

رئیس جامعہ دار العلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور نائب رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم گذشتہ کچھ دنوں سے علالت وضعف کا شکار ہیں اگرچہ اپنے روزمرہ کے ضروری امور اور اسباق کے لئے تشریف آوری ہورہی ہے، ان دونوں اکابر اور دیگر اساتذہ وطلبہ وکارکنان ومتعلقین جامعہ دار العلوم کی صحت وعافیت اور سلامتی کے لئے دعا کی درخواست ہے ۔

دعائے مغفرت

جامعہ دار العلوم کراچی سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جناب محمد ہارون مختی صاحب کا ۱۱ر محرم ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۲ر ستمبر ۲۰۱۸ء ہفتہ کے روز انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرما کر درجات عالیہ عطا فرمائے ۔ پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے ۔ آمین ۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے ۔

☆☆☆

نقد و تبصرہ

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمایئے

تبصرہ نگار کا مؤلف کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

نام کتاب: تفسیر معارف القرآن کامل آٹھ جلد جدید کمپیوٹرائزڈ دو کلر ایڈیشن تین ترجموں کے ساتھ

پہلا ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہ

دوسرا ترجمہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

تیسرا ترجمہ: شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ناشر: ادارۃ المعارف، احاطہ جامعہ دار العلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا کراچی۔

فون 0300-2831960 35123161 021-3503202

جدید کمپیوٹرائزڈ دو کلر، اعلیٰ پرنٹنگ پیپر

مع اسکرین دو رنگہ طباعت، ڈبل کلر فائل پرنٹنگ

مع امبوز خوبصورت مضبوط جلد

قیمت: =/4500

عصر حاضر میں تفسیر معارف القرآن مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی لکھی ہوئی اردو زبان کی وہ مایۂ ناز تفسیر ہے جس کے نفع اور فیضان عام کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ علماء ہوں

یا طالب علم، جدید تعلیم یافتہ حضرات ہوں یا عام پڑھے لکھے مسلمان، اس تفسیر نے ان تمام مسلمانوں کو قرآن مجید سے جوڑنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، قرآن مجید سمجھنے اور قرآن مجید میں موجود عقائد اور مسائل سے واقفیت کے لئے بلاشبہ اردو زبان میں اس تفسیر سے بہتر اور مستند کوئی اور تفسیر نہیں ہے۔ اس کا فیض عام بھی ہے اور تام بھی۔ انگریزی، سندھی، پشتو، فارسی اور بنگالی سمیت دنیا کی کئی اہم زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور پوری دنیا میں علماء کی بھاری تعداد اسی تفسیر کو بنیاد بنا کر درس قرآن دیتی ہے اور جمعہ کے مواعظ اور اصلاحی بیانات میں اسی تفسیر سے مدد لی جاتی ہے اور عام مسلمانوں کو اس کے مطالعہ سے جلا ملتی ہے۔

روز اول سے تفسیر معارف القرآن کی طباعت کے بعد اس میں موجود کتابت کی اغلاط یا تاریخی اور علمی مسائل کی تحقیق کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اور متن کے اصل الفاظ کی تصحیح یا حاشیہ میں مسائل کی وضاحت ہوتی رہی ہے، موجودہ ایڈیشن جو اس وقت ہمارے سامنے ہے گویا سالہا سال کی اسی محنت کے نتیجہ میں تیار ہوا ہے۔

۱۔۔۔اس ایڈیشن میں شیخ الہند اور حضرت تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے تراجم کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا ترجمہ "آسان ترجمۂ قرآن" بھی شامل کر دیا گیا ہے اس طرح یہ نسخہ قرآن مجید تین مستند اردو تراجم کا جامع بن گیا ہے۔

۲۔۔۔کتاب کی اغلاط ختم کرنے اور حاشیہ میں علمی مسائل کی تحقیق درج کرنے کا اہم کام کیا گیا ہے۔

۳۔۔۔تفسیر معارف القرآن میں جہاں فارسی جملے یا اشعار آگئے تھے اور انہیں سمجھنا عام آدمی کے لئے مشکل تھا حاشیہ میں ان کا اردو ترجمہ دے دیا گیا ہے۔

۴۔۔۔تفسیر میں جہاں جہاں جن جن کتابوں کی عبارتیں نقل کی گئی تھیں ان کا حوالہ حاشیہ میں درج کر دیا گیا ہے۔

۵۔۔۔احادیث مبارکہ اور عربی عبارات پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں۔

اس طرح کی اضافی خصوصیات کے ساتھ تفسیر معارف القرآن کا یہ موجودہ ایڈیشن یقیناً زیادہ مفید اور آسان ہو گیا ہے اور سابقہ ایڈیشنوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جدید نسخہ کی خدمت کرنے والوں کی محنت قبول فرمائیں اور اس کا نفع اور زیادہ عام فرما دیں۔ آمین۔ (ابوحماد)

نام کتاب .... تذکرہ مولانا محمد نافع

نام مؤلف .... حافظ عبد الجبار سلفی

ضخامت ....۷۸۰ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: درج نہیں

ناشر .... ادارہ مظہر التحقیق، برائے رابطہ مولانا عبد الروف نعمانی، خطیب جامع مسجد میاں برکت علی، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ کا تذکرہ البلاغ کے مختلف شماروں میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور ان کی تالیفات پر مفصل تبصرے بھی البلاغ میں شائع ہوتے رہے ہیں، ان کی سوانح حیات جو ان کے شاگرد حافظ ڈاکٹر محمد سعد اللہ صاحب کے قلم سے "حیات نافع" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔اس پر تبصرہ ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ کے البلاغ میں شائع ہو چکا ہے، حضرت مولاناؒ کے ایک اور شاگرد جناب حافظ عبد الجبار سلفی ان سے پہلے حضرت موصوفؒ کی سوانح "تذکرۂ مولانا محمد نافعؒ" کے نام سے مرتب اور شائع کر چکے ہیں جو اس وقت زیر تبصرہ ہے۔

فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بڑی محنت سے نہ صرف حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ کے حالات زندگی بڑی تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں بلکہ ان کے عہد میں ہونے والے بہت سے واقعات کا بھی مفصل ذکر کیا ہے جو مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ اگر چہ حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ کے صاحبزادگان کی نظر میں یہ تفصیلات غیر ضروری تھیں، نیز ان کا خیال ہے کہ اس کتاب میں بعض معاصرین یا دوسرے مکاتب فکر سے متعلق جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے وہ حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ کے سنجیدہ اور متین مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ تاہم حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ کی شخصیت ایسی تھی کہ اگر ان کی سوانح ایک سے زیادہ افراد مرتب اور شائع کریں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، ہر مؤلف کا انداز بیان جدا ہوتا ہے اور بہت سی معلومات کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہیں، لہٰذا یہ تالیف بھی فاضل مؤلف نے اپنے مزاج کے مطابق تحریر فرمائی ہے، اس کے انداز بیان سے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ کی شخصیت اور ان کی خدمات سمجھنے کے لئے یہ تالیف کار آمد ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ کے مآثر سے استفادے کی توفیق سب کو مرحمت فرمائے۔(ابومعاذ)

☆☆☆

رجسٹرڈ نمبر MC-675 "ماہنامہ البلاغ" کراچی